المرشد

جلد ۴ ، شمارہ ۶
جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ ماہ اپریل ۱۹۸۳ء

● سرپرست اعلیٰ
حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ

● مدیر مسئول
حافظ عبدالرزاق ایم، اے عربی اسلامیات

● مجلس ادارت
(اعزازی)

پروفیسر بنیاد حسین نقوی بی، اے
(آنرز) ایم، اے
مولانا محمد اکرم ملک منارہ جہلم
پروفیسر باغ حسین کمال ایم اے

بدل اشتراک

زر سالانہ	۳۵ روپے
ششماہی	۱۸ "
فی کاپی	۳ "
غیر ممالک سے سالانہ	۱۰۰ "

سول ایجنٹ
مدنی کتب خانہ گنپت روڈ
لاہور

اصلاحی مذہبی دینی اور علم سلوک و تصوف کا واحد مجلہ

اس شمارہ میں

اداریہ	ادارہ
اسرار التنزیل	مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھانوی
چراغِ مصطفوی	حافظ عبدالرزاق ایم۔اے
دیکھتا چلا گیا	عابد حسین بہاولپور
اصلاحِ معاشرہ	حافظ عبدالرزاق ایم۔اے
شانِ رسول	پروفیسر عبدالباری عباسی
غزل ۔ اللہ اللہ	پروفیسر باغ حسین کمال
نعتیہ غزل	حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی
حکمت کی باتیں	محمد اسلام
اتحاد ملّی	ابو سعید
یک دو ساعت	مولانا ابوالحسن ندوی

ماہنامہ المرشد چکوال (جہلم)
رابطہ کے لئے "دارالعرفان" منارہ

حافظ عبدالرزاق پبلشر نے منہاج الدین پرنٹر اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس لسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال ضلع جہلم سے شائع کیا

اداریہ

ہر شے کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک اس کی حقیقت، اسی طرح ہر عمل کی بھی ایک صورت ہوتی ہے۔ اور ایک اس کی حقیقت ہوتی ہے۔ صورت سے دیکھنے والوں کو وقتی طور پر بہلایا جا سکتا ہے اگر تکلف نہ برتا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ مگر اطمینان اور مطلوبہ مقصد صرف حقیقت شے ۔ حقیقت عمل سے حاصل ہوتا ہے۔ اور عند اللہ اجر بھی اسی پر مترتب ہوتا ہے۔

مسلمان کی اصلاح، خواہ وہ فرد ہو یا معاشرہ، دین کے حوالے کے بغیر اور دین کی نسبت سے علیحدہ ہو کر جب بھی کی جائے گی۔ وہ لازماً صورتِ اصلاح ہوگی غالباً اسی حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے امام مالکؒ نے فرمایا تھا کہ لن یصلح اٰخر ھذہ الامۃ الا بما صلح اولھا" یعنی اس اُمت کے آخری دور کی اصلاح صرف اور صرف اسی طریقہ سے ہو سکتی ہے جس طریقہ سے اس کے اوّلین دور کی اصلاح ہوئی تھی۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے مکی زندگی کے پورے تیرہ برس اس اصلاحی پروگرام کی بنیاد پختہ کرنے میں صرف فرماتے تھے۔ اور وہ اساس، بُنیاد اور جڑ ہے، دین سے وابستگی اور تعلق مع اللہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے۔ حضرت تھانویؒ کا ایک بیان مفید مطلب سمجھتے ہوئے پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

عنوان ہے" دین کی جان" فرماتے ہیں:۔

" اصل یہ ہے کہ دین کی جان، یوم دین پر ایمان یا آخرت کا یقین ہے۔ لیکن یہ عقیدہ اتنا بے جان ہو کر رہ گیا ہے کہ مشکل ہی سے ہمیں اپنی دن رات کی زندگی میں کبھی اس کا خیال آتا ہے، کہ فانی زندگی کا دامن موت کے

بعد ایک غیر فانی زندگی سے بندھا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ نہ موت کی فکر نہ اس کے بعد حساب وکتاب کا اندیشہ، نہ جنت، دوزخ یا جزا سزا کی پروا۔ گویا قرآن وحدیث کا سارا دفتر جو دراصل آخرت کی زندگی کے بناؤ بگاڑ سے وابستہ ہے۔ اور اسی کی تعلیمات سے بھرا ہوا ہے (معاذاللہ) ایک بے معنی افسانہ ہے۔ مغرب سے مرعوب ذہنوں اور دنیا داروں کا ذکر ہی کیا، اچھے اچھے علماءِ دین کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اسلام کے دنیوی منافع و برکات سے تو رطب اللسان رہتے ہیں، لیکن دوزخ جنت کا نام مشکل ہی سے زبان پر آتا ہے اور وہاں کی نعمتوں اور مصیبتوں کی تفصیل تو شاید اب کسی کٹھ ملّا ہی کی زبان پر آتی ہو، ہمیں اپنے مرنے والوں کا غم زیادہ تر محض ان کی ذات سے دنیاوی منافع واقعی یا متوقع یا طبعی تعلقات کی بنا پر ہوتا ہے، باقی ان کی ذات کا غم شاید ہی کسی کو ہوتا ہو۔ اس وجہ سے سارا دین شجرِ بے ثمر ہو کر رہ گیا ہے۔ اور توحید و رسالت کا اجمالی ایمان بے جان بن گیا ہے۔ اغیار کی نقالی میں دینی اصول و حدود سے بے نیاز ہو کر جس طرح کی قومی اور سیاسی سرگرمیوں کے سیلاب میں بہے جاتے ہیں اس نے اور بھی آخرت کی فکر اور اعتقاد سے غافل بنا دیا ہے، بس زندہ باد، مُردہ باد کے نعروں پر مست ہیں۔ اللہ کی پکار پر کان لگانے کی فرصت نہیں۔

خوب یاد رکھیئے کہ قیامت و آخرت کے عقیدہ کے احیاء و تجدید کے بغیر دین کا نام لے کر اسی طرح مسلمانوں کی ساری دوڑ دھوپ یا کوشش صرف حیاتِ دنیا ہی میں گم ہوتی رہے گی۔ اور سب سے سنگین گمراہی یہ ہے کہ اس کو عین دین خیال کیا جانے لگا ہے۔

دین تو یوم دین کے ایمان کو تازہ و زندہ کرنے ہی سے زندہ ہو سکتا ہے اور رہ سکتا ہے۔"

اور سچ کہا ترجمانِ حقیقت نے کہ ؎

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو مِلّت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

"مدیر"

اگر آپ نے

نئے سال کا چندہ ۲۵/۰ روپے - اور غیر ممالک سے ۱۰۰/۰ روپے ابھی تک ارسال نہیں فرمایا۔ تو پہلی فرصت میں ارسال فرمائیں

اور اگر

ایسا نہ ہو سکا تو اگلا شمارہ آپ کو بذریعہ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔ اور آپ کو دو روپے زائد ادا کرنا پڑیں گے۔

کیونکہ

وی، پی واپس کرنا تو آپ کو کسی طرح گوارا نہ ہوگا۔

(مدیر)

حضرت مولانا تھانویؒ

اسرار التنزیل

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ۝ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝

ترجمہ: جو کوئی دنیائے عاجلہ کا ارادہ (طلب) کرے ہم اس کو دُنیا ہی میں دے دیتے ہیں پھر اس کے لئے جہنم مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ برائی اور ذلت کے ساتھ داخل ہوگا اور جو کوئی آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لئے وہ کوشش کرے جو ہوا کرتی ہے درآنحالیکہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔

اب ذرا دونوں مضمونوں میں غور کر لیا جائے، طالبِ دنیا کی بابت تو ارشاد ہے کہ ہم طالبانِ دنیا میں سے جس کو چاہتے ہیں اور جس قدر چاہتے ہیں دے دیتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ نہ سب کا کامیاب ہونا ضروری ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ جو وہ چاہیں وہی مل جائے۔

دنیا طلبوں کی ناکامی

جو لوگ دنیا کی خاطر جان دیتے ہیں ان کی طلب سعی کے یہ دونوں نتائج دن رات تجربے میں آتے رہتے ہیں کہ نہ ہر شخص اپنی دنیوی سعی و طلب میں کامیاب ہوتا ہے اور نہ جس درجہ کی کامیابی چاہتا ہے وہ حاصل ہونا ضروری ہے بخلاف اس کے طالبانِ آخرت کے متعلق ارشاد ہے کہ جو آخرت کی طلب، عملی کوشش اور ایمان کے ساتھ کرتے ہیں ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی، طلب کے ساتھ ایمان اور کوشش کی قید واقعی ہے احترازی نہیں، ارادۂ آخرت کہتے ہی ہیں ایمان کو اور عمل صالح کی سعی کو، کیونکہ ان کے بغیر طلب آخرت بے معنی ہے، یہاں سے ان لوگوں کی تردید ہو گئی جو اپنے آپ طالب آخرت سمجھتے

ہیں۔ مگر عمل صالح نہیں کرتے، دراصل یہ لوگ آخرت کے طالب ہی نہیں۔ کیونکہ طلب کے لئے علامت بھی چاہیئے۔ اور طلب آخرت کی علامت یہی ہے کہ پورے یقین و ایمان کے ساتھ عمل صالح کیا جائے۔

رہا یہ سوال کہ پھر اس کے مقابلے میں ارادہ عاجلہ (دنیا) کی شرح کیوں نہ بیان کی گئی؟ جواب ہے کہ ارادۂ آخرت کی شرح سے مقصود یہ ہے کہ اس کا آسان ہونا معلوم ہو جائے کہ اس میں بس سعی و ایمان کی ضرورت ہے، تاکہ آخرت کی طلب کے لئے دل میں رغبت ہو بخلاف ارادۂ دنیا کے کہ اس کی ترغیب مقصود نہیں اس لئے اس کی تفسیر و شرح بیان نہیں فرمائی۔ علاوہ ازیں ارادۂ آخرت کی تفسیر و تفصیل کے متعلق لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کوئی کسی طریقہ کو طلب آخرت سمجھتا ہے کوئی کسی اور طریقہ کو اس لئے اسکی شرح کی ضرورت تھی۔ اور ارادۂ دنیا کو تو ہر شخص سمجھتا ہے اس کے بیان کی حاجت نہ تھی۔

طلب دنیا اور آخرت میں فرق

ارادۂ دنیا و آخرت میں ایک فرق تو یہ بتلایا گیا کہ طلب دنیا سے یہ ضروری نہیں کہ مطلوب حاصل ہی ہو جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کو حاصل ہو جائے اور طلب آخرت کی ہمیشہ قدر ہوتی ہے اور وہ ضائع نہیں ہو سکتی۔

دوسرا ایک لطیف اشارہ ایک خاص فرق کی طرف اور بھی ہے۔ جو اس وقت سمجھ میں آیا اور تفسیروں میں نظر سے نہیں گزرا ممکن ہے کسی نے لکھا ہو وہ یہ کہ اس جگہ دو جملے شرطیہ ہیں اور ہر ایک میں شرط کا تعلق جزا کے ساتھ مختلف عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ ارادۂ دنیا کی بابت تو ارشاد ہے مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ استمرار کا صیغہ ہے اور ترجمہ یہ ہوا کہ جو کوئی دنیا کی طلب کرتا رہے اور ہمیشہ طلب میں منہمک رہے تب کچھ ملتا ہے۔ اور ارادۂ آخرت کے متعلق من اراد بغیر لفظ "کان" کے ارشاد فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ ثمرۂ اخروی حاصل کرنے کے لئے مرنا کھپنا نہیں پڑتا بلکہ کچھ ارادہ کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

واقعی یہ لطیف فرق و اشارہ صرف لطیف ہی نہیں واقعی اور حقیقی بھی ہے کہ دنیوی معاملات میں کامیابی کے لئے جتنا مرنا کھپنا پڑتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں آخرت کے لئے بس کچھ ارادہ ہی کافی ہو جاتا ہے جیسے صاف سیدھا راستہ چلنا آسان ہوتا ہے بخلاف دنیا طلبی کے کہ اس کا راستہ مکر و فریب، ریاء و نفاق، ظلم و تعدی جھوٹ اور دغا بازی کی گہرائیوں اور الجھنوں سے بھرا ہوتا ہے۔ یہ تو دنیا پرستوں کی زندگی میں دن رات کا مشاہدہ ہے۔

اس کے علاوہ دین کی حقیقت، اللہ سے خاص

تعلق، محبت ہے۔ لہٰذا یہ مطلب نہیں کہ طالب آخرت کا ارادہ اور طلب دائمی نہیں ہوتا یا کچھ دنوں کے بعد زائل ہو جاتا ہے، نہیں حقیقت میں تو وہ بھی مستمر رہتا ہے۔ مگر تھوڑی سی سعی و طلب کے بعد غیر مستمر کے حکم میں ہو جاتا ہے۔

کیونکہ محبتِ الٰہی پیدا ہو جانے کے بعد وہ ارادہ اتنا سہل ہو جاتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے کے لئے اہتمام کرنا نہیں پڑتا، خود بخود پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اگرچہ پیدا اختیار سے ہوتا ہے مگر بوجہ اعانت غیبی کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود بغیر اختیار کے پیدا ہو رہا ہے اب اس غیبی اعانت کی اصل وجہ ذرا حدیث سے سنئے:

"کہ آخرت کی طلب خود سرکار (اللہ تعالیٰ) کو محبوب ہے اس لئے اس میں سعی کرنے والے کو اس طرف سے امداد ہوتی ہے جس سے وہ بالکل سہل ہو جاتی ہے ارشاد ہے:

من تقرب الیّ شبرا تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الیّ ذراعا تقربت الیہ باعا ومن اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ۔

"یعنی جو ایک بالشت میری طرف بڑھے میں ایک گز اس کی طرف آتا ہوں، اور جو میری طرف دھیرے دھیرے چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کے آتا ہوں"

اور دنیا طلبی بارگاہ الٰہی میں مردود ہے اس میں ہمیشہ وقت اور تعب ہی رہتا ہے اس کیلئے ہمیشہ اہتمام و انہماک از خود کرنا پڑتا ہے اور یہ طلب ہمیشہ بہ تکلف از سرِ نو پیدا کرنی پڑتی ہے۔

لطیف زکات

ایک نکتہ یہ ہے کہ طالبانِ دنیا کے بارے میں پہلے یہ فرمایا گیا ہے عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ کہ دنیا کے طالبوں میں سے ہم جس کو چاہیں جس قدر چاہیں عطا کر دیتے ہیں۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ آخرت کے طالبوں کے لئے یہ فرمایا جاتا کہ طالب آخرت جو چاہے گا وہی اس کو دیں گے۔ آخرت کے طالبوں کی فضیلت پوری اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ ان کو ان کی طلب کے موافق سب کچھ دیدیا جائے مگر آیت میں مَا نَشَآءُ دُوْنَ کی بجائے اُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا فرمایا۔

بات یہ ہے کہ اگر اس جگہ یہ فرماتے تو درحقیقت کچھ اضافہ نہ ہوتا بلکہ وعدہ گھٹ جاتا۔ کیونکہ آخرت کی نعمتوں کی شان یہ ہے کہ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ یعنی ان نعمتوں کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سُنا اور نہ کسی بشر کے قلب میں اس کا خیال تک گزرا تو بتلایئے کہ جب وہاں کی نعمتوں کا حال

یہ ہے تو اگر یہ فرمایا جاتا کہ جو کچھ وہ چاہیں گے دیا جائے گا تو یہ اضافہ یا زیادتی ہوتی یا کسی کیونکہ جس نعمت کا آدمی کے خیال میں بھی گزر نہ ہو اس کی خواہش کیسے کرے۔ اس لئے دراصل بہت ہی کمی ہوتی۔ ہماری خواہش کے موافق جو ملتا وہ بہت ہی کم ہوتا۔

حق تعالےٰ شانہٗ کی کتنی بڑی عنایت طالب آخرت کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کا ہم کو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ وہاں ثمرہ ہماری خواہش پر موقوف نہیں فرمایا بلکہ اپنی رحمت سے ہماری خواہش سے کہیں زیادہ عطا فرمائیں گے اس وجہ سے حق تعالےٰ نے اجمالاً فرمادیا کہ "ان لوگوں کی کوشش کی اس دربار میں قدر ہوگی"۔ اس سے سمجھ جاؤ کہ جن کی کوشش کی قدردانی ایسے عظیم الشان قدردان بادشاہ کے دربار میں ہو ان کو کیا کچھ نہ ملے گا۔ جس کا اندازہ اس سے کرو کہ دنیا کے بادشاہ جب کسی کی قدر دانی کرتے ہیں تو اس کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں یہ نہیں کرتے کہ انعام، خدمت کی حیثیت سے دیں بلکہ وہ اپنی حیثیت کے موافق انعام و اکرام کیا کرتے ہیں۔ جس کا اس خادم کو وہم بھی نہیں ہوتا، پھر جس کی قدردانی حق تعالےٰ اپنی عظمت کے موافق فرمائیں گے اندازہ کرو کہ اسے کیا کچھ ملے گا۔ اس کی تفصیل یہاں سمجھ میں نہیں آسکتی۔

دوسرا اشارہ وسعی لھا سعیھا سے اس سعی کے آسان ہونے پر ہے جیسا کہ اردو محاورہ میں بولا جاتا ہے کہ اس کام کے لئے بس جو تدبیر ہے وہ کرنی چاہیئے، تدبیر کا بیان نہ کرنا بلکہ صرف یہ کہدینا کہ جو تدبیر ہے کرنی چاہیئے اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ تدبیر معلوم بھی ہے اور آسان بھی ہے۔

تیسرا اشارہ "مشکورا" میں اس بات کی طرف ہے کہ جو کچھ آخرت میں ملے گا محض قدر دانی ہے، عمل پر منحصر نہیں جس میں یہ تنبیہ ہے کہ اپنے عمل پر نازاں نہ ہونا چاہیئے وجہ یہ ہے کہ اطاعت نام ہے ادائے حقوق الٰہی کا۔ اور اس کے حقوق کی کوئی حد نہیں غیر متناہی ہیں۔ اور غیر متناہی حقوق کا ادا کرنا موقوف ہے غیر متناہی عمل پر۔ اور ہم غیر متناہی عمل سے عاجز ہیں لہٰذا جو کچھ ملے گا وہ محض قدردانی نہیں تو اور کیا ہے پس "مشکورا" بتلا کر بتلادیا کہ عقل تو چاہتی ہے کہ اجر متناہی اور محدود ہوتا کیونکہ عمل جو متناہی اور محدود ہے اور یہ اجر کم ہے لہٰذا اجر دینا ہماری قدردانی ہے

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں اپنے عمل سے کوئی نہ جائے گا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، اور اس سوال کی ہمت بھی انہیں کو تھی۔ کہ "ولا انت" کیا آپ بھی اپنے عمل سے جنت میں تشریف نہ لے جائیں گے"۔ اس سوال پر حضور اکرمؐ پر خوف غالب آگیا اور اپنے سر کو پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمۃ

"کہ میں بھی عمل سے جنت میں نہ جاؤں گا۔ مگر یہ کہ اللہ کی رحمت و دستگیری فرمائے۔"

صاحبو! اب کس کی ہمت ہے کہ اپنے عمل کو کچھ سمجھے۔

قیامت میں جب ہم اپنے اعمال کی جزا دیکھیں گے کہ اس قدر بے شمار نعمتیں ہیں تو معلوم ہوگا کہ یہ سب محض قدردانی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز حق تعالےٰ شانہٗ اپنے مومن بندے کا حساب چھپاکر لیں گے اور فرمائیں گے ہم نے تم پر یہ یہ انعامات فرمائے تھے۔ پھر بھی تونے نافرمانی کی۔ فلاں گناہ کو یاد کرو، فلاں دن یہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ مومن یہ سمجھے گا کہ بس میں ہلاک ہوا اور ہر طرف سے اپنے کو جہنم کے قریب دیکھے گا۔ اس وقت حق تعالےٰ جل شانہٗ فرمائیں گے۔

"کہ جاؤ ہم نے دنیا میں بھی تیری پردہ پوشی کی تھی اور یہاں بھی پردہ پوشی کرتے ہیں۔"

کچھ ٹھکانا ہے اس کی رحمت کا۔ کہ مسلمانوں کو دوسروں کے سامنے ذلیل بھی نہ فرمائیں گے۔

صاحبو! ایسے رب کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ کیا اس کا حق تمہارے اوپر کچھ بھی نہیں جو یوں اس کی نافرمانی پر کمر بستہ بلکہ اُدھار کھائے بیٹھے ہو۔

قارئین "المرشد" کی

خدمت میں

خط و کتابت کرتے وقت خریداری کا

حوالہ

ضرور دیا کریں

"ادارہ"

حافظ عبدالرزاق ایم اے

چراغِ مصطفویؐ

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ انما الاعمال بالنیات ۔ وانما لامرئ ما نوی ۔ فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ لتزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ ۔

ترجمہ:۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اعمال کا دارومدار صرف نیتوں پر ہے اور آدمی کے لئے وہی اجر ہے جو اس نے نیت کی پس جس شخص نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر ہجرت کی تو اس کی ہجرت واقعی اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کی طرف ہوگی ۔ اور جس نے دنیا کے حصول کے لئے ہجرت کی وہ اسے حاصل کرے گا ۔ یا کسی نے عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اُسے وہی کچھ ملے گا جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہے

تشریح

انسان جو کام کرتا ہے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء و جوارح سے ہی کرتا ہے ۔ مگر ہر کام کرنے سے پہلے دل میں اس کا ارادہ پیدا ہوتا ہے اور وہ ارادہ ہی کام کرنے کا سبب بنتا ہے ۔ ارادہ کے ساتھ ایک اور چیز بھی شامل ہو جاتی ہے جسے کام کرنے کی غرض یا مقصد کہتے ہیں یعنی میں یہ کام کیوں کروں کس مقصد کس غرض کے لئے کروں اس چیز کو شریعت کی زبان میں نیت کہتے ہیں ۔

نیت کو کام کرنے کے عمل میں بڑا دخل ہوتا ہے اور نیت دل کا فعل ہے ، آپ ایک آدمی کو ہاتھ پاؤں ہلاتا اور کام کرتا دیکھتے ہیں ۔ مگر کہہ اٹھتے ہیں یہ شخص دل سے یہ کام نہیں کر رہا ۔ معلوم ہوا کہ آپ جانتے ہیں کہ کام کے کرنے میں دل کو بھی دخل ہے ۔ آپ تو شاید بھی تک ہی پہنچیں ۔ مگر حضور اکرمؐ کا ارشاد یہ ہے کہ اعمال کا دارومدار ہی دل کی نیت پر ہے یعنی اللہ تعالےٰ کے ہاں وہی عمل مقبول ہے اور انسان صرف اسی عمل کے اجر کا مستحق ہے جو اس نے خلوص نیت کے ساتھ کیا ہوگا ۔ اور خلوص نیت یہ ہے کہ عمل کا مقصد محض رضائے الٰہی کا حصول ہو ۔

اس سے ظاہر ہے کہ نیت کا سوال صرف عمل صالح یا نیک کام کے کرنے میں پیدا ہوتا ہے یہ مراد نہیں کہ آدمی "نیک نیتی" سے برائی کا ارتکاب کر کے اللہ تعالےٰ سے اس کے اجر کی امید رکھنے لگے۔

پھر اس کی تاکید فرمائی کہ جیسی نیت ہوگی ویسی ہی مراد ملے گی۔ حدیث کے دوسرے حصے میں ہجرت کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے اصل میں ہجرت کہتے ہیں وطن چھوڑ کر چلے جانے کو۔ مگر شریعت نے ہجرت کے مفہوم کو وسیع کر دیا ہے جس سے مراد اللہ کی نافرمانی کرنے کی عادت ترک کر دینا ہے گناہوں سے بچنا، اور برائی سے پرہیز کرنا بھی ہے۔

کسی برائی کو ترک کرنے کے کئی محرک ہو سکتے ہیں۔ مگر اصل مقصد صرف ایک ہے یعنی صرف اس لئے برائی کو ترک کرنا کہ اللہ تعالےٰ راضی ہو جائے اور اس کا رسول خوش ہو جائے، صرف اس نیت سے برائی کو ترک کر دینے کا اجر اللہ تعالےٰ کے ہاں سے ملے گا۔

دوسرا مقصد کوئی دنیوی مفاد حاصل کرنا ہو سکتا ہے۔ مثلاً کسی برائی کو اس لئے ترک کر دے کہ بدنامی ہوگی اور فلاں مفاد پر زد پڑے گی۔ تو ایسا کرنے سے اسے یہ مفاد تو حاصل ہو سکتا ہے مگر اللہ تعالےٰ کے ہاں سے کسی اجر کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

دنیوی مفاد بیشمار ہو سکتے ہیں ان میں مادی فوائد اور مالی نفع بھی ہو سکتا ہے اور ریا اور تصنع سے شہرت حاصل کرنا اور واہ واہ کی صورت میں غیر مادی مفاد بھی ہو سکتا ہے غرض جو کچھ بھی ہو ایسا کرنے سے انسان کسی اجر کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

تیسرا مقصد یہ ہو سکتا کہ ایسا کرنے سے اپنی کسی ایسی پرشیدہ نفسانی خواہش کا پورا کرنا ہو جو دل میں پال رکھی ہو مثلاً کسی عورت کے حاصل کرنے کی خواہش ہو اور اس کی صورت یہی ہو کہ لوگ اسے نیک سمجھیں اور وہ برائیوں سے بچتا ہو۔ تو اس مقصد کے لئے اگر آدمی ایکٹر بن کر تصنع بناوٹ اور دکھاوے کے ذریعہ اپنی نیکی کا سکہ بٹھائے اور برائیوں سے بچنے والا مشہور ہو جانے کی کوشش کرنے لگے اور لوگ واقعی کہنے لگیں کیسا "بیبا" آدمی ہے۔ تو اس طرح برائی کے ترک کرنے سے ممکن ہے وہ اس عورت کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے مگر اس قسم کے ترک گناہ پر وہ کسی اجر کا مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا اس لئے نیک عمل کرتے وقت ہمیشہ دل میں یہ نیت ہونی چاہیئے کہ اللہ راضی ہو اور اللہ کا رسول خوش ہو ورنہ اس ساری محنت کے باوجود آخرت میں فرد عمل خالی ہوگی بلکہ عین ممکن ہے کہ نیکی کی جگہ گناہ لکھا جائے ؎

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے
سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گیا

۲۔ عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الاعمال الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین عمل یہ ہے کہ آدمی صرف اللہ

کے لئے دوستی اور صرف اسی کے لئے دشمنی کرے۔

تشریح

انسان زندگی میں مختلف کام کرتا ہے اور اس کے اعمال کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ بعض برے کام ہوتے ہیں بعض اچھے، بر اکام بہر حال برا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، جیسے زہر مہلک ہے خواہ ایک گرام ہو یا ملی گرام۔ اس سے ہر حال بچنا لازم ہے۔

اچھے کاموں کے درجے ہوتے ہیں۔ کوئی صرف اچھا کوئی بہتر اور کوئی بہترین یعنی سب سے اچھا اور انسان کی فطرت ہے کہ وہ اچھی چیزوں میں سے بھی نسبتاً زیادہ اچھی یا سب سے اچھی چیز کو پسند کرتا ہے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے انسان کی اسی فطری خواہش اور ضرورت کو پورا کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصول بیان فرمایا۔ کیونکہ حضورؐ رحمۃ للعالمین ہیں اور اس وصف کا تقاضا یہی تھا کہ حضور اکرمؐ انسانیت کو خوبی اور کمال درجے کی خوبی سے آگاہ فرماتے ہیں۔

چنانچہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اچھے کاموں میں افضل یعنی سب سے اعلیٰ یہ ہے کہ ہر آدمی ہر اس کام کو ہر اس چیز کو اور ہر اس شخص کو پسند کرے اور اسے محبوب سمجھے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ حالانکہ لوگ تو کہتے ہیں کہ "پسند اپنی اپنی" مگر حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے مجھ سے پیمان وفا باندھا ہے ان کی پسند اپنی اپنی نہیں ہونی چاہئے بلکہ اپنی پسند کو اللہ کی پسند میں فنا کر دو یا یوں کہیے کہ اپنی پسند کو اللہ کی پسند کے تابع کر دو۔

اور یہ بات صرف انسان کی انفرادی زندگی ہی کو پر سکون نہیں بناتی بلکہ اجتماعی زندگی کو بھی پر امن بنا دیتی ہے اور یہی چیز اتحاد ملی کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے، افراد میں تصادم اور جماعتوں میں پھوٹ صرف اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ "پسند اپنی اپنی" کے جاہلانہ اصول کی پابندی پر اصرار ہوتا ہے۔

انسانی فطرت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انسان بعض چیزوں کو ناپسند کرتا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے اس فطری داعیہ کی تسکین کے لئے بھی ایک اصول دے دیا کہ میرے چاہنے والوں کا ایک وصف یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ہر اس کام کو ہر اس بات کو، ہر اس چیز کو ہر اس شخص کو ناپسند کریں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ ان دو باتوں میں انسانی سیرت کے مثبت اور منفی دونوں پہلو آگئے گویا معیاری سیرت اور مثالی کردار کی تشکیل کے لئے یہی دو راہنما اصول ہیں۔

یہ اوصاف اس صورت میں پیدا ہو سکتے ہیں کہ انسان کو اللہ سے محبت ہو جائے۔ اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ انسان اپنی پسند و محبوب کے تابع کر دینا ہی محبت کا کمال سمجھتا ہے شاید اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرمایا کہ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ یعنی "مومن کی پہچان اور علامت ہی یہ ہے کہ اس کے دل میں سب سے زیادہ اللہ کی محبت ہوتی ہے"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاتی تربیت سے جو معاشرہ تیار کیا اس کے یہی دو وصف اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان فرمائے کہ اَلَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ۔ "یعنی نبی کریمؐ نے اپنی تعلیم و تربیت سے جو نمونے کے آدمی تیار کیے ہیں ان کا وصف یہ ہے کہ کفر سے انہیں حد درجے کی نفرت ہے۔ کیونکہ کفر نام ہی اللہ کی مخالفت کا ہے اور مسلمانوں کے حق میں وہ انتہائی درجے کے شفیق و رحیم ہے کیونکہ اسلام نام ہی اس طرز زندگی کا ہے جو اللہ کو پسند ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے تو یہاں تک اعلان فرما دیا کہ "اے ایمان والو! اپنے باپ اور بھائی کو بھی اپنا دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو ترجیح دیں (اس اعلان کے بعد بھی) تم میں سے جو ان کو اپنا دوست سمجھے گا وہ ظالم شمار ہوگا۔ (التوبہ ۲۳) تم میں سے جو ان کو اپنا دوست سمجھے گا وہ ظالم شمار ہوگا۔

حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ بہترین عمل یہ ہے کہ اللہ کے دوستوں سے محبت کرو اور اللہ کے دشمنوں کو دشمن سمجھو اور یہ صورت حال پیدا کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ اپنے دل کی گہرائیوں میں اللہ کی محبت پیدا کرو۔

۳۔ عن انس قال قلما خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا قال لا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ ولا دین لمن لا عھد لہٗ ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ بہت کم ہی ایسا ہوا ہے کہ نبی کریمؐ نے ہمیں خطاب فرمایا ہو اور یہ نہ فرمایا ہو کہ جس شخص میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور اس شخص کا دین نہیں جو عہد شکن ہے۔"

تشریح

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ دین اسلام اپنی کامل شکل میں اللہ کے بندوں تک پہنچائیں۔ ان کو اللہ کا بندہ بن کر جینے کا ڈھنگ سکھائیں اور ان کی اخلاقی خرابیوں کی اصلاح فرما کر اخلاق حسنہ کی تکمیل کر دیں، اس لئے آپ جب بھی خطبہ دیتے یا صحابہ سے خطاب فرماتے آپ کے خطاب کا مرکزی مضمون اور اس کی روح یہی ہوتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت انسؓ حضور اکرمؐ کے وہ خادم خاص ہیں جو ہمیشہ حضورؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ ان دونوں حقائق کو پیش نظر رکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور اکرمؐ اپنے خطبوں میں کچھ حقائق اکثر اور بار بار بیان فرماتے تھے

جس سے ان مکرر باتوں کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے حضرت انسؓ نے ایسی دو باتوں کا ذکر کیا جو حضور اکرمؐ اکثر قریباً ہر خطبے میں بیان فرماتے۔ ان باتوں کی وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ نہایت وسیع مضمون کو دو جملوں میں سمو دیا گیا ہے۔

س: "جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں"

ایمان کی اصطلاح میں ایمان نام ہے اس پختہ یقین کا جو دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو۔ اور ان باتوں پر یقین کرنے کا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہوں۔ اُن اَن دیکھی حقیقتوں کو صرف نبی کریمؐ کے اعتماد پہ پورے یقین کے ساتھ مان لینے کا نام ایمان ہے۔ ان میں سرِ فہرست توحید ہے، یعنی اللہ تعالےٰ اپنی ذات اور صفات میں لاشریک ہے دوسری چیز رسالت ہے یعنی یہ یقین رکھنا کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیئے نبی اور رسول بھیجتا رہا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری رسول ہیں۔ حضور اکرمؐ پہ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ جو وہ فرمائیں وہ کرو۔ حضورؐ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔

تیسری چیز آخرت کی جزا بدہی پر یقین ہے یعنی جو کچھ ہم کرتے ہیں اللہ تعالےٰ کو سب کچھ علم ہے۔ ایک دن آئے گا کہ ہمیں اللہ تعالےٰ کے سامنے پیش کر اپنی پوری زندگی کا جواب دینا ہوگا۔ اس کے نتیجے میں جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔

امانت یہ ہے کہ کسی کے مال اس کی آبرو اور اس کے راز میں خیانت نہ کی جائے۔ خیانت دراصل چوری ہے اور چوری انسان اس وقت کرتا ہے جب اسے تسلی ہو کہ کوئی دیکھ نہیں رہا یا اسے اطمینان ہو کہ کوئی گرفت کرنے والا نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس میں امانت نہیں اس میں یہ یقین نہیں پایا جاتا کہ اللہ تعالےٰ دیکھ رہا ہے وہ علیم و خبیر ہے اور اسے اس بات کا یقین بھی نہیں کہ آخرت میں مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی۔ اور اسے محمد رسول اللہ پر اعتماد بھی نہیں کہ حضورؐ نے جو فرمایا وہی کرنے کا کام ہے۔ جب تینوں باتوں کی نفی ہوگئی تو ایمان کہاں رہا۔ ہاں مردم شماری میں وہ مومن ہی درج ہوگا مگر ؎

مسلماں ہے وہی جو ہے مسلماں علمِ باری میں
وگرنہ یوں کروڑوں درج ہیں مردم شماری میں

دوسری بات جو حضورؐ اکثر فرمایا کرتے وہ یہ ہے کہ جو عہد کا پاس نہیں کرتا وہ دین سے خالی ہے"

عام طور پہ عہد اس فیصلہ کو کہتے ہیں جو دو آدمیوں کے درمیان طے پایا جائے مگر حقیقت میں عہد کے دو پہلو ہیں۔ ایک ہے بندے کا اپنے

رب سے عہد اور وہ اس وقت وجود میں آتا ہے جب بندہ دل سے یقین اور زبان سے اقرار کرتا ہے کہ لا إله إلا الله محمد رسول الله - یعنی اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں میں اسی کے کہے پر عمل کروں گا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بندے اور رب کے درمیان وہ آخری واسطہ ہیں جن کے ذریعے بندے تک اللہ کا حکم پہنچتا ہے اور جو اس حکم کی تعمیل کا سلیقہ سکھاتے ہیں - اس لئے بندہ عہد کرتا ہے کہ میں اپنے رب کے حکم کی تعمیل صرف اس طریقے سے کروں گا جو محمد رسول اللہ سکھائیں گے -

عہد کا دوسرا پہلو انسان کا کسی دوسرے انسان یا ادارے سے عہد کرنا -

دوسرا لفظ دین ہے دین سے مراد ہے زندگی گزارنے کا ڈھنگ اور یہ ڈھنگ مختلف ہو سکتے ہیں - مگر ایک ڈھنگ وہ ہے جو اللہ تعالےٰ نے سکھایا ہے اس کا نام ہے اسلام چنانچہ ارشاد باری ہے -

ان الدین عند اللہ الاسلام یعنی اللہ کے نزدیک پسندیدہ طرز زندگی اسلام ہے -

اب دونوں حصوں کو ملائیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو شخص عہد کی پابندی نہیں کرتا اس نے اسلام کو طرز زندگی کے طور پر اختیار کرنے سے انکار کر دیا لہٰذا وہ دین ہی کو چھوڑ بیٹھا - جو لوگ بد عہدی کرتے ہیں وہ بے دین کہلوانا تو گوارا نہیں کرتے مگر حقیقت میں وہ دین سے بیزار ضرور ہوتے ہیں

امانت اور ایفائے عہد کو چھوڑ بیٹھنے کے دو نقصان حضور اکرم ﷺ نے بتا دیئے کہ ان میں نہ ایمان رہا نہ دین - مگر یہ دونوں نقصان یہاں سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آتے اس لئے لوگ مطمئن رہتے ہیں کہ کوئی نقصان نہیں ہوا - مگر انسانوں کی سیرت اور معاشرہ کے امن و سکون میں جو بگاڑ پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ عام طور پر یہی دو برائیاں ہوتی ہیں - بڑوں نے عہد کیا کہ چھوٹوں کی نگرانی رہنمائی اور حفاظت کریں گے انہوں نے خیانت اور بد عہدی کو معمول بنا لیا - بے راہروی آوارگی اور مادر پدر آزادی کا دور دورہ ہوا -

ملازموں نے عہد کیا کہ پوری دیانتداری سے ڈیوٹی دیں گے - عملاً خیانت اور بد عہدی کو اپنایا اور ہر محکمے میں کام چوروں کی بھیڑ لگ گئی -

افسروں نے عہد کیا کہ انصاف اور احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض کی تکمیل کریں گے - مگر عملاً خیانت اور بد عہدی کا ارتکاب کیا - انصاف عنقا ہو گیا اور لاقانونیت ہی قانون بن گیا -

طلبہ نے عہد کیا کہ پوری یکسوئی سے ادارے کے قواعد و ضوابط کے تحت تعلیم حاصل کریں گے مگر خیانت اور بد عہدی شیوہ بنا لیا چنانچہ سکول اور کالج تعلیم گاہ کی جگہ بد عنوانیوں اور سازشوں کے اڈے بن گئے -

اساتذہ نے عہد کیا کہ ہم پوری تندہی سے

تدریس کا کام کریں گے اور ان کی توجہ تعلیم ہی کے مقصد پر مرکوز رکھیں گے۔ مگر امانت اور عہد کا پاس نہ کیا۔ اور صرف ڈگری دلانا ہی نصب العین بن گیا۔ اور اساتذہ اور طلبہ دونوں کی توجہ "ساتویں پرچے" پر ہی جمی رہی اور یہ ہو گیا کہ نقل اور "اپروچ" کے سائنٹیفک طریقے ایجاد ہونے لگے۔

علماء نے عہد کیا کہ ہم ورثۃ الانبیاء ہیں اس لئے ان کے اتباع میں ہم صرف تعلیم و تبلیغ دین اور درس تدریس کا کام ہی کریں گے مگر حضور اکرم ﷺ کے فرمان کو بھلا کر مخلوق کو فرقوں میں بانٹ دیا۔ نئے نعرے دیئے اور فرقہ وارانہ کشیدگی کو ہوا دینے لگے ع

ہائے ان مالیوں نے باغ اجاڑا اپنا

مشائخ نے عہد کیا کہ ہم اپنے متوسلین کی اخلاقی تربیت کریں گے۔ انہوں نے علماء سے جو علمی طور پر سیکھا ہوگا ہم اس کی عملی تربیت کریں گے۔ مگر پابندیٔ عہد کا لفظ کتابوں میں لکھا رہ گیا۔ اور حال یہ ہوا کہ ع

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

غرض کوئی کہاں تک شمار کرے۔ معاشرے کے بگاڑ کا سرچشمہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم کو پس پشت ڈال کر خیانت اور بدعہدی کو نصب العین بنا کر زندگی گذارنے کے بغیر اور کوئی نہیں۔

المرشد کا مطالعہ

ہر اہل سنت والجماعت کے لئے بہت

ضروری ہے

اپنے بچوں کو بھی دیگر رسالوں کی بجائے

المرشد

مطالعہ کے لئے دیجئے

عابد حسین
بہاولپور میڈیکل کالج

دیکھتا چلا گیا

۱۔ کراچی میں پاکستان اور بھارت کے درمیان کرکٹ میچ ہو رہا تھا۔ ہوسٹل کا کامن روم کھچا کھچ بھرا تھا کہ نوجوانانِ کالج ٹی۔وی پر میچ دیکھ رہے تھے۔
جب کوئی پاکستانی کھلاڑی چھکا یا چوکا لگاتا۔ کامن روم میں "اللہ اکبر" کے نعرے بلند ہونے لگتے۔

اتنے میں ظہر کا وقت آگیا۔ موذن نے اسی اللہ کے حضور حاضری دینے کے لئے بلایا جس کے "اکبر" ہونے کا جوان نعرہ لگا رہے تھے۔ مگر بھرے کمرے میں سے کوئی ایک بھی اللہ کے سامنے حاضری کے لئے نہ اُٹھا۔

"اللہ اکبر" کا نعرہ کس لئے؟ اس لئے کہ قوم نعرہ باز بن چکی ہے۔ اور بس نعروں پر ہی جی رہی ہے۔ مگر "اللہ اکبر" تو ایک حقیقت ہے کوئی ایجاد بندہ قسم کا نعرہ نہیں نوجوانوں کے دلوں میں واقعی اللہ کے اکبر ہونے کا یقین ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے "اکبر" کے معنوں میں کچھ گھپلا ہوگیا ہے وہ اسے تفضیل کل (سپرلیٹو ڈگری) نہیں سمجھتے بلکہ تفضیل بعض (کمپیریٹو ڈگری) سمجھتے ہیں یعنی اللہ بڑا تو ضرور ہے مگر کرکٹ سے بڑا نہیں۔ (معاذ اللہ) ؎

چلے ہیں شیخ کعبے کو ہم انگلستان دیکھیں گے
وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

۲۔ پچھلے دنوں بھائی جان نے میرا تعارف ایک بہت بڑے افسر سے کرایا۔ انہوں نے بھائی جان سے کہا "داڑھی رکھنا اچھی بات ہے مگر اس عمر میں۔ اس لڑکے نے اپنا

چہرہ بگاڑ لیا ہے" صاحب سلامت کیا پتے کی بات فرما گئے ہے۔

داڑھی خدا کا نور ہے بیشک مگر جناب
فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کروں

(الف) یعنی داڑھی موسمی فصل ہے ایک شغل (رہا بی) ہے جس کا مناسب موسم بڑھاپے کی عمر ہے (ب) داڑھی کے بغیر جوان کا چہرہ حسین ہوتا ہے، داڑھی حسن کو بگاڑ دیتی ہے مگر حسن کا معیار کیا ہے یہ تو ایک امر اضافی ہے۔ حبشی کے نزدیک حسن کا معیار اور مغربی کے ہاں معیار اور، ایشیا کا معیار اور یورپ کا اور مگر ایک معیار حسن وہ ہے جو بین الاقوامی ہے اور ہمیشہ سے مسلم ہے۔ اور وہ ہے کہ حسن وہ ہے جسے "محبوب" حسن سمجھے، اس کا ثبوت درکار ہو تو اپنے نوجوان، دیسی ہپیوں کی شکل صورت بال ڈھال دیکھ لو، بس ہیں سمجھ گیا کہ ہمارے کالے صاحب سلامت کا محبوب اور ہے اور میرا محبوب اور ہے اس لئے معیار حسن میں اختلاف ضروری ہے۔ ہمارے کالے صاحبوں کا کیا کہنا ہے

واہ کیا وضع ہے میرے کبوے کی
شکل کوے کی ہیٹ سوے کی

۳۔ ایک بہت بڑے افسر کے سامنے ایک بزرگ پیش ہوئے۔ واقعات بیان کئے صاحب نے سن کر فرمایا۔

"حاجی صاحب! آپ سچ کہیں یا جھوٹ "ہم" تو "ہر ایک" کو بے ایمان سمجھتے ہیں"۔

یہ ہے قوم کی افسرانہ تصویر۔ اور اگر صورت حال یہ ہو کر اگر "ہر ایک" "کبھی ہم" کو اس کی افسرانہ شان کے مطابق اسی درجے کا 'وہ' سمجھتا ہو۔ اور کہہ اٹھے کہ ع

جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

تو قوم کا مجموعی "امیج" یہی بنا کہ۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است

کاش! ع

"خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی"

کہنے والا آج زندہ ہوتا اور قوم کے مایہ ناز سپوتوں کے یہ ریمارک سن لیتا۔

۴۔ ایک بہت بڑے عہدے پر فائز محترمہ نے اعلان فرمایا کہ فیملی پلاننگ جس کا اصلی نام ضبط ولادت ہے، اسلام میں جائز ہے۔

واقعی اسلام یتیم ہوگیا۔ ہر فن کے متعلق حتمی فیصلہ وہی دے سکتا ہے۔ جو اس فن کے سیکھنے میں عمر کھپا چکا ہو۔ مہارت، پیدا کر چکا ہو اور اسے سند اتھارٹی، تسلیم کیا جاتا ہو۔ مگر اسلام ایسا لاوارث مذہب ہے کہ اس کے متعلق ہر شخص اپنے آپ کو سند (اتھارٹی) سمجھتا ہے اور اس پر اصرار ہوتا ہے کہ ؏

مستند ہے میرا فرمایا ہؤا

اس لئے اس فتوے کو درست ہی تسلیم کرنا پڑے گا۔ مگر اتنی بات کہ یہ جائز ہے اس اسلام میں جو خانہ ساز ہو یا اس "امپورٹڈ اسلام" میں جو امریکہ سے درآمد کیا گیا ہو۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے اسلام میں اس کی حیثیت وہی بتا سکتا ہے جس نے قرآن، حدیث اور فقہ کو بالاستیعاب پڑھا ہوا اور اس میں تحقیق کر لی ہو۔ ماو شما کو کہاں یہ حق پہنچتا ہے کہ اسلام کے متعلق تحقیقی علم نہ رکھنے کے باوجود فتوے دیکر اسلام کا منہ چڑاتے پھریں۔

★۔ عقل غلام ہے اور شریعت سلطان۔ پس عقل کی تائید سے شریعت کی بات ماننا ایسا ہے جیسے غلام کی جی ہاں جی ہاں سنکر بادشاہ کی بات کو مانا جائے۔ اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے۔ بادشاہ کی بات خود حجت ہے غلام کی تصدیق سے اس کو حجت سمجھنا سراسر حماقت ہے۔

★۔ مخلوق کے عیوب پر نظر نہ ہونا فی نفسہ بڑی نعمت ہے۔
(ا س ع - ت)

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے عربی و اسلامیات

اِصلاحِ معاشرہ

کائنات میں تعمیر و تخریب، بناؤ اور بگاڑ کا عمل ہمیشہ سے جاری ہے۔ انسانی معاشرہ کائنات کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس میں بھی فساد اور اصلاح کا عمل جاری رہتا ہے۔ معاشرہ میں بگاڑ کا عمل خود افراد معاشرہ کے ہاتھوں ہوتا ہے، البتہ بگاڑ آسان بھی ہے اور اثر آفرینی کے اعتبار سے اس میں سرعت اور وسعت بہت زیادہ ہوتی ہے اس کے مقابلے میں اصلاح کا کام بڑا محنت طلب ہوتا ہے اور اس کی رفتار بھی سست ہوتی ہے اور اس کی اثر آفرینی کا دائرہ بھی نسبتاً محدود ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے سہل انگار طبائع گھبرا کر اصلاح کے کام سے دستبردار ہو جاتی ہیں اور یہ تاثر پھیل جاتا ہے کہ ع

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

یہ اصول تن آسانی اور سہل انگاری کی پیداوار ہے اور اس اصول پر عمل پیرا ہونے سے رفتہ رفتہ فساد اور اصلاح میں تمیز ہی مفقود ہو جاتی ہے، اور تن آسانی کے متوالے فساد اور بگاڑ ہی کو عین اصلاح سمجھنے لگتے ہیں۔ قرآن نے اس حقیقت کا اظہار یوں فرمایا ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ "یعنی جب ان الٹی کھوپڑی کے انسانوں سے کہا جاتا ہے کہ معاشرہ میں بگاڑ نہ پیدا کرو۔ تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو حقیقی مصلح ہیں اور یہ اصلاح کا کام ہی تو کر رہے ہیں"

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ زمانے میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

ہمارے معاشرے میں بگاڑ کا عمل اغیار کی خاص منصوبہ بندی کے تحت شروع کیا گیا اور وقت کے گزرنے کے ساتھ اب حالات نے یہ صورت اختیار کر لی ہے کہ بگاڑ ہی کو عین اصلاح سمجھا جا رہا ہے اور معاشرتی برائیوں کو عام معمول بنا لیا گیا ہے، بلکہ برائی پر فخر و ناز کی صورت پیدا ہو رہی ہے معاشرے میں ایسے حساس لوگ ہمیشہ پائے جاتے ہیں جنہیں اس تعفن کا احساس ہوا اور بساط بھر اس کی

اصلاح کی تدبیریں بھی کرتے رہے۔ مگر معاشرے کے عمومی دباؤ اور برائیوں کے طوفان میں ان کی کوششوں کے چراغ کوئی روشنی کی کرن پھیلانے میں کامیاب نہ ہو سکے اس پر مستزاد یہ کہ حکومتی سطح پر اس کا احساس بہت کم ہی دیکھنے میں آیا بلکہ حکومتوں کے اصلاحی ادارے ہی زیادہ تر بگاڑ کی صورت پیدا کرنے میں کوشاں رہے

خوشی کا مقام ہے کہ اب موجودہ حکومت کو اس کا احساس ہوا اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کو خاص اہمیت دی جانے لگی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرہ کا ہر فرد حکومت کے اس نیک جذبہ کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے اپنی حد امکان تک حکومت کے ساتھ تعاون کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھے۔

اس مہم کو سر کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ معاشرتی برائیوں میں سے کچھ ایسی برائیاں ہیں جن کو ذہنی برائیوں کا نام دیا جا سکتا ہے مگر کچھ ایسی صورتیں ہیں کہ کسی ایک برائی کی وجہ سے ہزاروں اور برائیاں لازمی طور پر پیدا ہو جاتی ہیں یعنی ایک برائی سے سینکڑوں انڈے بچے نکل کر معاشرے میں مختلف شکلوں میں پھیل جاتے ہیں۔ ایسی اُم المراض قسم کی برائیوں کے دُور کرنے پر اگر پوری کوشش مجتمع کر دی جائے تو ایک بُرائی کے مٹنے سے سینکڑوں برائیاں خود بخود دور ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر ان میں سے ایک برائی رشوت ہے، یہ بظاہر معمولی سی خرابی نظر آتی ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو اس کی وجہ سے بہت بڑا بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔ مثلاً:

۱۔ رشوت کے رواج پا جانے کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ قانون کا احترام دلوں سے اُٹھ جاتا ہے، یہ نہ کہ عوام ہی اس سے متاثر ہوتے ہیں بلکہ قانون کے محافظ اور نگران افراد اور اداروں کے دل سے قانون کا احترام ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال لیجئے۔ عرصہ ہوا یہ قانون بنایا گیا کہ بسوں میں ریکارڈنگ ممنوع ہے۔ مگر کیا اس پر کہیں عمل ہوتا دکھائی دیتا ہے؟ اس کی وجہ یہ نہیں کہ بسوں پر آٹھ آٹھ ایریل جو چھ چھ فٹ بلند لہراتے ہیں ان کو دیکھنے کے لئے قانون کے محافظوں کو خورد بینوں کی ضرورت ہے اور سرکار نے مہیا نہیں کیں لہٰذا وہ ایریل نظر نہیں آتے یا بسوں کے اندر آگے پیچھے جو سپیکر نصب ہیں ان پر کوئی سلیمانی ٹوپی رکھی ہوتی ہے یا فحش گانے سنائی نہیں دیتے کہ ان کی سماعت کی قوت ندارد کے برابر ہے۔ بلکہ اسکی وجہ وہی رشوت ہے جس نے محافظینِ قانون کے دلوں سے قانون کا احترام کھرچ کے رکھ دیا ہے۔

دوسری طرف ٹرانسپورٹر ڈرائیور اور مسافر ہیں۔ جن کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ریکارڈنگ ضرور ہو اور یہ جانتے ہوئے کہ قانوناً ممنوع ہے۔ وہ برابر تقاضا کرتے ہیں اور ٹرانسپورٹروں اور ڈرائیوروں کی طرف سے اس تقاضا کو پورا کرنے پر آمادہ کرنے والی چیز صرف رشوت ہے جس کی وجہ سے معاشرہ کے افراد کے دلوں سے قانون کا احترام اُٹھ چکا ہے۔ اس صورت کا لازمی نتیجہ زندگی کے ہر شعبے میں لاقانونیت کا دور دورہ ہے

۲۔ دن دہاڑے ڈاکے کی وارداتیں:۔

کسی روز کا اخبار اُٹھا کر دیکھیں کسی بس کے لٹ جانے کسی بنک کے لوٹے جانے کی خبر آپ کو ضرور مل جائے گی۔ ایسا کیوں ہے صرف اس لئے کہ ڈاکوؤں کو پورا پورا اطمینان ہوتا ہے کہ رشوت کا سہارا موجود ہے اور یہ سہارا ہی نہیں بلکہ ہر قسم کے جرم کے لئے امرت دھارا ہے۔ اگر انہیں یقین ہو کہ قانون کی گرفت سخت ہے بچنا محال ہے تو ہرگز اتنی جرأت رندانہ کا ثبوت نہ دیں۔

۳۔ چوری کی وارداتیں:

ایک ایک رات میں کئی کئی گھروں کا صفایا ہو جانا روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ مگر آج تک حدِ سرقہ کے قانون کے موجود ہونے کے باوجود کسی چور کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا۔ یہ سب انڈے رشوت کی مرغی کے پروں کے نیچے محفوظ ہیں بلکہ اس کی گرمی سے پر پرزے نکالتے چلے جا رہے ہیں۔

۴۔ قتل کی عام وارداتیں:

آج اپنے معاشرے میں کسی بے گناہ کو قتل کر دینا اتنا عام اور آسان ہے جیسے کوئی جوں مار دینا یا کسی چیونٹی کو پاؤں تلے روند ڈالنا آسان ہے قاتلوں کو بھی رشوت ہی کا تحفظ ملتا ہے۔

۵۔ سمگلنگ:۔

یہ بیچارے سمگلر لاکھوں بلکہ کروڑوں کی سمگلنگ کرتے ہیں تو اس کے لئے نہیں کہ بیچارے بھوک سے مجبور ہیں بلکہ یہ عیاشی ایک مستقل پیشہ بن چکی ہے۔

۶۔ چور بازاری۔

۷۔ ڈرائیونگ لائسنس کے بغیر اور روٹ پرمٹ کے بغیر گاڑیاں چلانا۔

۸۔ دن دہاڑے دوسروں کے مکانوں اور دکانوں

پر قبضہ کر لینا۔

۹۔ ٹیکس کی چوری کرنا۔ ڈبل حساب رکھنا

۱۰۔ اشیائے خوردنی میں ملاوٹ کرنا۔ حتیٰ کہ گھی کی جگہ گریس سے اشیاء کے خوردنی تیار کرنا۔

کوئی کہاں تک شمار کرے، جرائم کی فراوانی کی واحد وجہ رشوت کی گرم بازاری کے سوا کچھ نہیں

معاشرے کے اس ناسور نے عہد بہ عہد ترقی کر کے یہ صورت اختیار کی ہے، ایک وقت تھا کہ خال خال کوئی شخص رشوت لیتا تھا۔ چوری چھپے لیتا تھا۔ نکو بن جانے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ ضمیر ملامت کرتا تھا۔ اور رشوت دینے والا اس لئے رشوت دیتا تھا کہ کسی کا حق مارے۔

پھر اس میں ترقی ہوئی تو ضمیر کو تھپکیاں دے کر سُلا دیا گیا۔ چوری چھپے رشوت لینے کی جگہ رشوت لینے کی کچھ معصوم شکلیں ایجاد کر لی گئیں۔ ڈالی، چائے پانی رمی اور فلاش میں عمداً ہار جانا وغیرہ۔

اس پر مزید ترقی ہوئی تو رشوت لینا ایک معمول بن گیا بلکہ جو رشوت نہ لیتا اسے بزدل، پھوڑ سمجھا جانے لگا۔

پھر رشوت نے پنیترا بدلا۔ اور کسی کا حق دبانے کے لئے نہیں بلکہ اپنا جائز حق لینے کیلئے رشوت پیش کرنا ضروری ہو گیا اور آخری شکل یہ بنی کہ باقاعدہ نیلامی بولی گئی، رشوت دینے والوں نے فیصلہ دیدیا کہ رشوت ایک ناگزیر برائی ہے اور ساری دنیا میں ہے اس لئے اسکو برائی کہنا درست نہیں البتہ یہ ایک آرٹ ہے۔

خالص اسلامی نقطہ نگاہ سے دیکھا [illegible] تو اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں ایک اصولی بات بیان فرما دی کہ۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل

(یعنی ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔"

پھر اس کا یہ پہلو جسے رشوت کہتے ہیں واضح فرمایا

وتدلوا بہا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون

"یعنی مال کو حاکموں تک رسائی کا ذریعہ نہ بناؤ تاکہ اس طرح دوسروں کا مال ناحق دبا لو، جان بوجھ کر ایسا مت کرو۔"

اور قرآن لانے والے نے تو یہاں تک فرما دیا کہ الراشی والمرتشی کلاھما فی النار

"یعنی رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنم کا ایندھن ہیں۔"

اور لطف یہ کہ عین سر کے اوپر دیوار کے ساتھ یہ حدیث جلی حروف میں لکھ کر لگا رکھی ہے اور ٹھیک اس کے نیچے کرسی پر بیٹھ کر مُک مکاؤ بھی ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ لازماً ایک تو یہ ہو سکتی ہے کہ لینے اور دینے والوں کو نہ اللہ کی بات پر اعتماد ہے نہ اللہ کے رسول کی بات کا یقین ہے۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انہیں مر کے جی اُٹھنے اور اللہ تعالےٰ کی عدالت میں پیش ہونے پر یقین نہیں۔ اور تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے اندر اتنا کس بل دیکھتے ہیں کہ جہنم کی آگ کو بڑی جوانمردی سے برداشت کریں گے یا یہ کہ وہ لوگ جہنم کو کوئی ایر کنڈیشنڈ گھر سمجھے بیٹھے ہیں۔ ورنہ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ آدمی مسلمان بھی ہو اور اللہ و رسول کے اس چیلنج کو پوری ڈھٹائی سے یوں ٹیک دے۔ مسلمان کو کوئی کیسے سمجھائے کہ اللہ و رسول کا مقابلہ کرنا مسلمان کہلانے کے ساتھ زیب نہیں دیتا۔ کوئی کیسے بتلائے کہ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے کوئی کیونکر یقین دلائے کہ یہ حرام کی فراوانی تمہیں کسی کل چین نہیں لینے دے گی جسے بگڑے ہوئے معاشرے کو سنوارنے کا فریضہ سونپا گیا تھا۔ وہ اچھے بھلے معاشرے کو بگاڑنے میں دن رات اور ہمہ تن کوشاں ہے۔

آنکھیں پٹ ہوں تو کوئی ہاتھ پکڑ لے ان کو مگر
اندھوں کو راستہ کون دکھائے سے

چہ گوئمت ز مسلمانِ نا مسلمانے
جز ایں کہ پور خلیل است و آذری داند

طبی نقطہ نگاہ سے غذا کے معاملے پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جو غذا ہم کھاتے ہیں معدے میں جا کر منہضم ہوتی ہے۔ اس سے خون بنتا ہے۔ خون رگوں میں دوڑتا ہے اسی سے قوت توانائی اور صحت حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ غذا صالح ہو۔ یعنی اس میں ایسے اجزا پائے جائیں جن میں غذائیت ہو اگر ناقص غیر متوازن اور گندی غذا کھائی جائے تو اس سے نہ صحت قائم رہ سکتی ہے نہ قوت و توانائی حاصل ہوتی ہے۔ گویا نظام جسمانی کو صحیح طور پر برقرار رکھنے کا انحصار خالص غذا پر ہے غیر خالص اور مضر غذا سے نظام جسمانی تلپٹ ہو چلتا ہے۔

یہی عمل انسان کے اخلاقی اور روحانی نظام میں بھی جاری رہتا ہے اخلاقی نظام کو صحیح طور پر برقرار رکھنے کے لئے جو غذا صالح اور خالص ہوتی ہے۔ اس کا نام اصطلاح شرع میں حلال غذا ہے اور مضرِ صحت غذا کو اصطلاح میں حرام کہتے ہیں۔ حلال غذا سے اخلاقی حس بیدار رہتی ہے اور اخلاقی قوت حاصل ہوتی ہے۔ کوئی فرد اگر اس صالح غذا کا اہتمام نہ کرے تو وہ اخلاقی اعتبار سے ایسا مریض ہوتا ہے جس کا مرض بڑھتا رہتا ہے

اور آخر اخلاقی موت واقع ہوتی ہے تو وہ جرائم پیشہ بن جاتا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں اگر ایسے مریضوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے تو وہ معاشرہ جرائم پیشہ افراد کا ایک مجموعہ ہوتا ہے اور معاشرے میں اخلاقی گراوٹ کا یہ عالم ہوتا ہے کہ امن وسکون اُٹھ جاتا ہے اور کسی کی جان، مال عزت وآبرو محفوظ نہیں رہتی۔ اسی بنا پر اسلام نے فرد اور معاشرہ دونوں کے لئے حلال روزی کی بڑی تاکید کی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:۔

(۱) یا ایها الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا۔

"اے گروہ انبیاء حلال اور پاکیزہ غذا کھاؤ۔ اور صالح عملی زندگی اختیار کرو"

اس ارشاد میں انبیاء کو مخاطب کیا گیا ہے نگران کی اُمتیں بدرجۂ اولیٰ مخاطب ہیں۔ رسول تو اُمت کے لئے ایک مثالی شخصیت ہوتی ہے پھر ارشاد میں حلال غذا کے ساتھ عمل صالح کو جوڑ دیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلال غذا کا اثر یہ ہے کہ اس سے جو قوت حاصل ہوتی ہے وہ لازماً صالح اعمال میں صرف ہوتی ہے، یا یوں کہیے کہ عمل صالح کا انحصار ہی غذائے صالح پر ہے۔

۲۔ یا ایها الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیبًا ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن

"اے بنی نوع انسان زمین پر جو ہم نے خوانِ نعمت پھیلا رکھا ہے اس میں سے حلال اور طیب غذا کھاؤ۔ اور شیطان کی پیروی نہ کرو"

یہاں پوری انسانیت مخاطب ہے۔ جملے کو کو جن دو حصوں سے ترکیب دیا ہے اس میں کئی حکمتیں ہیں۔ اول تو یہ کہ اپنے خالق کے باغیوں کے بھرے میں آکر کہیں ایسا نہ کرنا کہ حلال غذا کے حصول کی اہمیت ہی تمہاری نگاہوں سے اوجھل اور ڈنگروں ڈھوروں کی طرح جہاں ہری ہری گھاس نظر آئے بس وہیں منہ مارنے لگو، دوسری حکمت یہ نظر آتی ہے اگر تمہیں حلال غذا کی اہمیت کا احساس نہ رہا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اللہ کے باغیوں کے نقش قدم پر چلنے لگوگے پھر آخر میں مزید تنبیہ فرمائی کہ انہ لکم عدو مبین کہ شیطان تمہارا ایسا دشمن ہے کہ اس کی دشمنی میں شک شبہ کا شائبہ تک نہیں تو کیا تم اپنے ازلی دشمن سے راہِ رسم پیدا کرنا پسند کرو گے۔

حلال غذا کی تاکید کے ساتھ حرام کے نقصانات بھی جا بجا بیان فرما دیئے مثلاً

۱۔ اہل کتاب کے جرائم بیان کرتے ہوئے دو اخلاقی برائیوں کا واضح طور پر ذکر فرمایا کہ

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ

یعنی جھوٹ بولنا اور حرام کھانا ان کا شعار بن چکا ہے"

اور ان دونوں برائیوں کا آپس میں اتنا گہرا تعلق

ہے کہ آج بھی اگر انسان کی نظر سے دیکھے تو
اسے معلوم ہو جائے گا۔ کہ حرام غذا کھانے
والا لازماً جھوٹا ہوتا ہے، کیونکہ حرام کی یہ خاصیت
ہے۔

اصدق الصادقین اور رحمتہ للعالمین صلی اللہ
علیہ وسلم نے حرام سے بچنے کی اتنی تاکید فرمائی
ہے کہ اگر کسی کو حضور اکرمؐ سے ذرا سا تعلق
بھی ہو تو وہ اس لعنت سے کوسوں دُور بھاگے
گا۔

(۱) حضور اکرمؐ نے فرمایا: من لم یبال من این
اکتسب المال لم یبال اللہ تعالے من
این ادخلہ النار۔

یعنی "جو شخص اس بات کی پروا نہیں
کرتا کہ وہ کن طریقوں سے مال حاصل کر
رہا ہے (یعنی حلال یا حرام ذرائع سے)
تو اللہ کو بھی اس بات کی پروا نہیں
کہ اسے کس طریقے سے اور دوزخ کے
کس درجے میں پھینکے"۔

۲۔ من اشتری ثوبا بعشرۃ دراھم وفی
ثمنہ درھم حرام لم یقبل اللہ صلواتہ
مادام علیہ۔

"یعنی کسی شخص نے اپنا لباس اگر دس روپے
کا خریدا اور اس رقم میں ایک روپیہ حرام کی
کمائی کا تھا تو جب تک وہ لباس اس کے
بدن پر رہے گا اس کی کوئی نماز کوئی
عبادت قبول نہ ہوگی"۔

حرام کی نحوست کا اندازہ کیجئے۔

۳۔ من اصاب مالاً من ماثم فوصل بہ
رحما او تصدق بہ او انفقہ فی سبیل اللہ
جمع اللہ لہ ذلک جمیعا ثم قذفہ
فی النار۔

"جو شخص حرام ذریعہ سے مال حاصل کرے
پھر اس مال سے اپنے اقربا کی خدمت
کرے یا اسے صدقہ خیرات کے کاموں
میں لگائے یا اسے اللہ کی راہ میں
خرچ کرے، یہ سب اعمال اسے دوزخ
کے قریب تر ہی کریں گے"۔

حرام مال سے عبادت کی نیت سے کچھ صرف
کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی میلے کپڑے
کو پیشاب سے دھوکر صاف کرنے کی حماقت
میں لگا رہے۔

۴۔ من اکتسب مالا من حرام وان تصدق
بہ لم یقبل منہ وان ترکہ وراءہ
زادہ الی النار

"یعنی جو شخص حرام ذریعہ سے مال حاصل کر
اگر اس کو صدقہ میں خرچ کر تو اس کا
یہ فعل مقبول نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ مال
ورثہ کے طور پر چھوڑ کر چلا گیا تو وہ ترکہ
اسے دوزخ کی گہرائیوں میں پہنچانے
کا سبب بنے گا"۔

کتنے باہمت ہیں وہ لوگ جو اپنی اولاد اور ورثا کے لئے رشوت کا مال جمع کرکے کوٹھیاں بناتے ہیں اور جائدادیں پیدا کرتے ہیں اور اپنی ذات کے لئے جہنم کا ایندھن اکٹھا کر رہے ہوتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ رشوت کے رسیا جہنم کے تصور سے بھی ناآشنا ہیں اور آخرت کو محض افسانہ سمجھتے ہیں ؎

جفائیں کبھی ہیں فریب علی ہیں نمود بھی سنگسار بھی ہے
اور اس پہ رعنائے تن پرستی اور اس پہ یاں اعتبار بھی ہے

جن مقدس ہستیوں نے محمد رسول اللہ ﷺ پر اعتماد کیا اور اللہ کی بات کو دل سے سچا سمجھا ان کی سوچ کے انداز ہی بدل گئے۔ مثلاً

۱۔ عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

اگر تو اتنی نمازیں پڑھے کہ بیٹھ کر دوہری ہو جائے اور اتنے روزے رکھے کہ بال کی مانند لاغر اور پتلا ہو جائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا جب تک حرام غذا سے پرہیز نہ کرے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان رشوت خور مسلمانوں نے عبد اللہ بن عمرؓ کی بات اچھی طرح سمجھ لی ہے کہ رشوت سے تو ہم باز آ نہیں سکتے اور حرام مال کھا کر نماز روزہ کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے اس لاحاصل محنت سے بھی بچو۔ چنانچہ نماز روزہ سے پوری طرح بے نیاز ہوتے ہیں۔ مگر حرام مال ایسی دیمک بریک ہے کہ حق کی طرف ایک انچ بھی بڑھنے نہیں دیتی واقعی ؎

کہاں کا حرام اور کہاں کا حلال
ہیٹے جائے حلوے رہے رام لال

۲۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں: "اللہ کی طاعت دراصل اللہ کا خزانہ ہے اس کی کنجی دعا ہے اور کنجی کے دندانے لقمہ حلال ہے"۔ مگر اب تو ایسے تالے بھی ایجاد ہو چکے ہیں کہ کنجی کی ضرورت نہ دندانوں کی بس نمبر ملاؤ، تالہ کھل گیا۔

۳۔ حضرت جلال الدین مبارک فرماتے ہیں: مشتبہ [مال] کا ایک درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ مگر ہمارے کرم فرما مشتبہ مال کو تو پسند ہی نہیں کرتے جب تک خالص حرام اکٹھا نہ کریں رات کو نیند ہی نہیں آتی۔

۴۔ حضرت سہل تستری فرماتے ہیں: جو شخص حرام کھاتا ہے اس کے تمام اعضا بدکاری کی طرف رخ کرتے ہیں ارادی طور پر بھی اور غیر ارادی طور پر بھی۔

لیجئے بات جہاں سے چلی تھی وہیں پہ آ کر ختم ہوئی معاشرے میں برائیاں ارادی طور پر پھیل رہی ہیں اور غیر ارادی طور پر بھی اور اسکی وجہ حرام مال کی فراوانی ہے اور حرام مال خواہ کسی راہ سے آئے اس کی اصل اور جڑ کہیں بالواسطہ اور کہیں بلاواسطہ رشوت ہے اور صرف رشوت ہے۔ لہذا رشوت کا خاتمہ کئے بغیر اصلاح معاشرہ کی جتنی کوشش ہوگی وہ صرف ضابطے کی کارروائی ہوگی ظاہری لیپا پوتی ہوگی۔ اور محض دکھاوا ہوگا اور اگر کہیں کوئی اصلاح ہو بھی گئی تو وہ بالکل عارضی ہوگی اور رشوت کی آندھیوں میں وہ چراغ گل ہو جائے گا۔ ؎

بیا در دیدگر اینجا بود سخندانے

شانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر عبدالباری عباسی

شانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قلم اٹھانا جہاں کارِ سعادت ہے وہاں ایک جسارت بھی ہے۔ یہ کارِ عظیم وہ بھاری پتھر ہے جسے بڑے بڑے جید علماء، صوفیا اور شعراء نے چوم کر چھوڑ دیا ہے۔ کہ کسی نے کہہ دیا ہے ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کسی نے اظہارِ عجز ان الفاظ میں کیا کہ ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

کوئی کہتا ہے ع ۔

تری شان کیسے بیاں کروں مرے منہ میں ایسی زباں کہاں!

اور کوئی چونک پڑا ؎

کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء
گستاخ اکھیں کتھے جا لڑیاں

غرضیکہ ہر ایک نے ایک مضمون مختلف الفاظ و انداز میں ادا کیا۔ ہے اور وہ ہے

لَا یمکنہ الثناءُ کما کان حقہٗ

ظاہر ہے میں کیا اور میری بساط کیا کہ شانِ رسولؐ کو بیان کرنے کا حوصلہ کروں تاہم اپنی محدود فہم کے سہارے شانِ لامحدود پر کچھ کہنے کی مبتدیانہ کوشش کرتا ہوں۔

ختم الرسلؐ کی شان کو سمجھنے کا ایک وسیلہ خبر ہے، اللہ تعالےٰ اپنے قرآن میں آپؐ کے بارے میں فرماتا ہے: لولاک لما خلقت الاملاک اور اپنے محبوب سے خطاب کرتے ہوئے ہم بندوں کو خبر دیتا ہے کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

رسولِ پاکؐ کی اللہ کے نزدیک کیا اہمیت ہے یہ اس اہتمام سے ہی ظاہر ہو جاتی ہے کہ حلقۂ اسلام میں داخلے کے لئے جو کلمہ پڑھا جاتا ہے اس میں اللہ تعالےٰ کی یکتائی کے ساتھ محمدؐ کی رسالت کا بھی اقرار کرنا لازم ٹھہرتا ہے اور کلامِ الٰہی میں جہاں بھی اطیعوا اللہ کا فرمان جاری ہوا ہے وہاں اطیعوا الرسولؐ کا حکم بھی جزو لازم بنا ہوا ہے، اللہ کے حضور میں اس شان پذیرائی کو دیکھتے ہوئے ہر ایک ہوشمند انسان پکار اٹھتا ہے کہ صرف خدا کو ماننے والا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار نہ کرے۔

اس نکتہ پر غور کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ

مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

شانِ رسولؐ کے ابلاغ کا دوسرا پہلو نظر ہے یعنی آپ کے کردار کی شان جو کچھ دنیا والوں کو نظر آئی، چنانچہ دنیا نے اللہ کے اس نیک بندے کو بعثت سے قبل چالیس سال تک پرکھا کر تو ایسا صادق اور امین پایا کہ آگے چل کر خدا واسطے کا بیر رکھنے والے، دشنام طرازیاں کرنے والے اور طرح طرح کے طریقوں سے ستانے والے بھی امانتیں حضورؐ کے پاس رکھتے تھے۔

اخلاق کو دیکھا تو خواہی نخواہی ماننا پڑا کہ ؎

اخلاق یہ تھا بادشہِ کون و مکاں کا
کافر کو بھی کافر نہ کہا اپنی زباں سے

آپ کی زندگی ہر پہلو سے ایک کھلی کتاب تھی اور اس قول کی تفسیر خیر الامور اوسطہا

کوئی بڑے سے بڑا ہیرو بھی اپنے گھر میں ہیرو نہیں ہوتا مگر ہمارے آقا کو یہ شرف حاصل تھا کہ آپ اپنے گھر میں بھی اسی طرح ہر دل عزیز تھے۔

الغرض بزم میں رزم میں، سیاست میں معاشرت اور شجاعت میں، عدالت میں ہر پہلو اور ہر گوشہ میں آپ کی شانِ شخصیت کو دیکھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے ؎

تری ذات ہے وہ آئینہ نہیں تجھ سا کوئی بھی آئینہ
جو ہمارے وہم و گمان میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

شانِ رسولؐ کا ایک تیسرا پہلو بھی ہے یعنی اذانِ سحر آپؐ نے عرب کے ظلمت کدۂ جہالت میں سے ذروں کو آفتاب و ماہتاب بنا دیا، نوجوانوں، جوانوں اور عمر رسیدہ بزرگوں پر مشتمل ایک ایسی نئی نسل پیدا کی جس نے مدینہ منورہ میں ایسا مثالی معاشرہ تشکیل دیا جو سراپا خیر اور گہوارۂ امن و امان تھا اور جس کی بارِ دگر جھلک دیکھنے کے لئے آج تک بے چین انسانیت چشم براہ ہے۔

رسولِ پاکؐ نے اللہ کی راہنمائی میں برسوں کی محنتِ شاقہ اور سخت تربیت کے بعد جو انسانِ مطلوب تیار کیا تھا اس نے اپنے ہی معاشرے کو نہیں بدلا بلکہ خطۂ عرب سے نکل کر جہاں بھی پہنچا عجب کام کر گیا۔ اس زمانے کے مسلمانوں کے قافلے جدھر نکل جاتے، راستوں میں ہدایتوں کے چراغ روشن کرتے جاتے اُن کی اذانیں ظلم و جہالت کے اندھیروں کو اسی طرح کافور کر دیتی تھیں جس طرح اذان فجر کے ساتھ پو پھٹنے لگتی ہے۔

اپنے حسنِ اخلاق میں، حیا میں، صداقت و عدالت میں اور شجاعت میں وہ اللہ کے بندے سارے جہان سے نرالے تھے۔ ان ہی کے متعلق اقبال کہتا ہے ؎

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے
جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

اور اسی لذتِ آشنائی سے سرشار ہو کر وہ لوگ اپنے وطن سے نکلے تو ؎

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
اور افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

یہ انہیں کے نقشِ قدم کی برکتیں ہیں کہ مشرق میں بھی اسلام

کے نام لیوا الحمد للہ تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں مگر ۔

دنیا والے درخت کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے پھل سے لگانے کے عادی ہو چکے ہیں ۔ اس کسوٹی پر آج اگر دین اسلام کو پرکھا جائے تو ۔

اس کے گال پر گلاب اور دوسرے پر سرسوں کا رنگ نظر آتا ہے، بلکہ سرسوں کا رنگ کچھ زیادہ ہی شوخ ہے اس کی وجہ اسلام کی بے بضاعتی نہیں بلکہ مسلمانوں کی مدہوشی اور کم کوشی ہے آج کا مسلمان اور خصوصاً مسلمانوں کا مقتدر اور آسودہ حال طبقہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے گویا بے نیاز ہو چکا ہے اس گمراہی کے نتائج یہ ہیں کہ مسلمان آج آپس میں غضبناک ہیں اور غیروں کے سامنے بھیگی بلی ۔ مختصراً یہ ایسے نمونے ہیں کہ برنارڈ شا جیسا مداح اسلام بھی ان کو دیکھ کر مسلمان ہونے سے رک جاتا ہے، لیکن کیا مسلمانانِ عالم کی ہیئت کذائی سے نفرت کھا کر اسلام کا دامن ہی چھوڑ دیا جائے ۔

آئیے تھوڑی دیر کو فرض کر لیتے ہیں کہ آئینہ میں اپنی مکروہ شکل دیکھ کر ہم آئینہ ہی پھینک دیتے ہیں ۔ اگر دنیا میں اللہ اور رسولؐ کا نام لینا جرم ٹھہرتا ہے تو دیکھنا چاہیئے پھر کیا ہو گا؟

کیا تباہی کے دھانے پر کھڑی ہوئی یہ دنیا تباہ ہونے سے بچ جائے گی؟ کیا انسانیت کا من شناخت ہو جائے گا ۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے اعمال سے قطع نظر آج بھی دنیا میں اکمل اور محفوظ ترین کوئی دین ہے تو وہ اسلام ہی ہے کیا اس دین حق کی بساط لپیٹ دینے کے بعد یہودیت، عیسائیت بدھمت یا کوئی اور دین، دھرم لادینیت کا مقابلہ کر سکے گا؟

میرا ایمان ہے کہ ہرگز نہیں پھر کیا خالص مادہ پرستانہ نظام ہائے زندگی یعنی سرمایہ داری اور اشتراکیت انسانوں کو بھیڑیا بن جانے سے روک سکیں گے ۔

ان سوالوں کا خدائی جواب تو یہ ہے جو آج کے مضمحل مسلمان کو ہی مخاطب کر کے دیا گیا ہے کہ ؎

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
کشتیٔ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصرِ نو رات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

اگر یہ دھندلا سا ستارہ ٹوٹ بھی گیا تو اللہ مالک السموات والارض اور قادرِ مطلق ہے وہ اور ستارے پیدا کر سکتا ہے اپنے قرآن اور گھر کا نگہبان وہ خود ہے ۔

لیکن مشاہدہ کے سہارے انسانی قیافہ یہ کہتا ہے کہ یہ دنیا مادی طور پر ترقی کرتی جائے گی ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جو لوگ اس خیال پر عمل پیرا ہیں کہ ؏

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

انہیں کچھ عرصہ کے بعد مزید کھل کھیلنے کا موقع مل جائے مگر دلوں کی ناصبوری کا علاج ہرگز نہ ہو سکے گا کیونکہ یہ دور عالمانہ جہالت کا دور ہے اور آج صحیح انسانی قیادت کے لئے بقول سید قطب شہید مادی ترقی کے علاوہ کوئی اور صلاحیت درکار ہے ۔ اور

" یہ صلاحیت صرف وہ عقیدہ اور نظام زندگی ہو سکتا ہے جو انسانیت کو ایک طرف یہ موقع دے کر وہ

کمالات کا تحفظ کرے اور دوسری طرف وہ انسانی فطرت کی ضروریات اور تقاضے ایک نئے نقطۂ نظر کے تحت اس طمطراق کے ساتھ پورا کرے جس طرح موجودہ مادی ذہن نے پورا کیا ہے اور پھر یہ عقیدہ عملاً ایک انسانی معاشرے کی شکل اختیار کرے بالفاظِ دیگر ایک مسلم معاشرہ اس کا نمائندہ ہو گا۔

سید قطب شہید کی بات دل کو لگتی ہے، کچھ اس لئے بھی کہ ہمارا مشاہدہ بتا رہا ہے کہ آج کی مادی طور پر طاقتور ترین اقوام، سُپر پاورز امریکہ اور روس دو ایسے مہلک بچھو ہیں جو ایک بوتل میں تنگ ہو گئے ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے انتہائی خائف ہیں اور ڈنک نہیں مارتے ورنہ بوتل پگھل کر پانی بن جائے۔

جب یہ بات مسلمہ ہے کہ انسانیت کی بقا اس مادی ترقی میں ہے جو اخلاقی اقدار کی پابند بھی ہو تو کیوں نہ ہم اس خلقِ عظیم کی طرف مراجعت کریں جس کی مظہر شانِ رسول ﷺ تھی۔ جب یہ بات بھی درست ہے کہ ؎

آج بھی ہو جو ابراہیم ؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

تو کیوں نہ ہم اس سرچشمۂ فیض کی طرف لوٹ چلیں جس کا منبع ذاتِ رسول ﷺ ہے۔

حقیقت پسندانہ سوچ کا تقاضا ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ آبِ حیات ہمارے لیے آبِ زُلال کیوں نہ رہا، کہیں ایسا تو نہیں کہ اس چشمۂ فیض کا پانی ہم تک اس تازگی اور پاکیزگی کے ساتھ نہ پہنچ رہا ہو جس کا لطف اصحابِ رسول ﷺ، تابعین اور تبع تابعین اٹھایا کرتے تھے؛ کہیں ہم تک پہنچنے والی نہریں، مشرق و مغرب سے یونانی فلسفے، عجمی قصوں، آریائی صحیفات، اسرائیلی خرافات، مسیحی الٰہیات اور دوسرے کلچروں، تہذیبوں کے ناپاک پانی تو شامل نہیں ہو گئے؟ آخر اقبال نے بھی کچھ دیکھ کر کچھ سوچ کر ہی کہا ہو گا کہ ؎

یہ اُمت روایات میں کھو گئی
حقیقت خرافات میں کھو گئی

جب آثار و شواہد ہمارے شبہات کو حقیقت میں بدلتے نظر آ رہے ہیں تو مملکتِ خداداد پاکستان میں بطور خاص کیوں نہ ایسی سنجیدہ کوششوں کا آغاز کر دیا جائے جو ہمیں بالآخر اس چشمۂ صفا تک پہنچا دیں جس پر شانِ رسول ﷺ کا نیرِ تاباں جلوہ کناں تک ہو، کیوں نہ ہم خدا کی رسّی کو ایک مرتبہ پھر مضبوطی سے پکڑ لیں اور اس پھول کی خوشبو سے مشامِ جاں کو روحانی طور پر تر و تازہ کر لیں ؎

ہو نہ یہ پھول، تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمۂ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

اللہ

پروفیسر باغ حسین کمالؔ ایم، اے

ہکاّ ناں اے جیں دے پاروں دل وچ ہیٔ نتھر نھلاّ ، اللہ اللہ
ہکاّ ناں اے جس دے پاروں دل نوں ہوگ تسلاّ ، اللہ اللہ
ہکاّ ناں اے جس دے پاروں دونہیں جہانیں بھلاّ ، اللہ اللہ
ہکاّ ناں اے جس دے پاروں دِسدا اے عرش معلیٰ ، اللہ اللہ
ہکاّ ناں اے جس دے پاروں ہر شے نورِ تجلیٰ ، اللہ اللہ
ہکاّ ناں اے ذات صفاتوں ہکاّ ہک ہکلاّ ، اللہ اللہ
ہکاّ ناں اے جس دے سانویں ہور نہ کوئی کھلاّ ، اللہ اللہ
ہکاّ ناں اے جس دا نیپے لکاّ پیر ڈا پلاّ ، اللہ اللہ
باغ کمالا! جپ ہر ویلے، بن نہ اڑیا جھلاّ ، اللہ اللہ

نعتیہ غزل

حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح

ہو جائے مرا شوق ہی رہبر کسی صورت — جوں نقشِ قدم جا پڑوں در پر کسی صورت

ہے سر میں ہوائے کششِ شوقِ مدینہ — جوں بادِ صبا پہنچوں گا اُڑ کر کسی صورت

ہے بُلبُلِ دل شائقِ گل روئے پیغمبرؐ — بے دیکھے نہ ٹھہرے گا یہ مضطر کسی صورت

کھایا کروں بس ٹھوکریں زوّاروں کی تیرے — اے کاش ہوں در کا ترے پتھر کسی صورت

اے ماہِ روشن کیجئے گذر تک تو ادھر بھی — ہو جائے مرا گھر بھی منوّر کسی صورت

دیں ساقیِ کوثر جو مجھے بادۂ اُلفت — چھوٹے نہ لبوں سے مرے ساغر کسی صورت

ہو جائے کہیں سبز مرا نخلِ تمنّا — آ جائے نظر گنبدِ اخضر کسی صورت

ہو مغز و پریشاں وہیں مُشکِ ختن کا

کھُل جائے جو وہ زلفِ معنبر کسی صورت

حکمت کی باتیں

محمد اسلام صدیق کالونی

حضرت موسیٰؑ نے اللہ تبارک وتعالےٰ سے عرض کیا کہ " اے پروردگار! کیا ہی اچھا ہوتا اگر دنیا میں چار چیزیں ہوتیں اور چار نہ ہوتیں"

۱۔ زندگی ہوتی ——— موت نہ ہوتی
۲۔ جنت ہوتی ——— دوزخ نہ ہوتی
۳۔ دولتمندی ہوتی ——— تنگدستی نہ ہوتی
۴۔ صحت ہوتی ——— بیماری نہ ہوتی

اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرمایا

۱۔ اگر زندگی ہوتی اور موت نہ ہوتی ——— تو میرا دیدار کیسے ہوتا؟
۲۔ اگر جنت ہوتی اور دوزخ نہ ہوتا ——— تو میرے عذاب سے کون ڈرتا۔
۳۔ اگر دولتمندی ہوتی تنگدستی نہ ہوتی ——— تو میرا شکر کون ادا کرتا۔
۴۔ اگر تندرستی ہوتی بیماری نہ ہوتی ——— تو مجھے کون یاد کرتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت ہی عاجزی سے اقرار کرلیا کہ خدا کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے۔

توکّل

مشہور عارفہ اور ولی اللہ حضرت رابعہ بصریؒ علیل تھیں، عقیدت مند اور ہم عصر بزرگ شخصیات عیادت کے لئے حاضری دے رہی تھیں، حضرت سفیان ثوریؒ بھی جو بذات خود ولایت

کے منصب پر فائز تھے، حاضرِ خدمت ہوئے اور مزاج پرسی کے بعد دیر تک کلمات خیر نکالتے رہے۔ اور آخر میں فرمایا:

"رابعہ! میں آج شب تہجّد کے بعد آپ کے لئے خدائے بزرگ و برتر کے حضور دعا کروں گا کہ وہ آپ کو شفائے کلی عاجلہ عطا فرمائے۔"

حضرت رابعہؒ نے جو تعلیم و رضا کا پیکر تھیں دریافت فرمایا

"سفیانؒ! کیا تمہیں اس پر یقین ہے کہ یہ بیماری خدا کی مشیت اور مرضی کے مطابق مطابق اور اس کے پابند ہے؟"

حضرت سفیانؒ نے جواب دیا۔ "میرا اس پر ایمان ہے رابعہ!"

حضرت رابعہؒ نے فرمایا:

"پھر تم اس خدا سے ایک ایسی چیز کیوں طلب کرنا چاہتے ہو؛ جو اس کی مرضی اور حکم کے خلاف ہے؟"

حضرت سفیانؒ ثوری نے شرمندہ ہو کر گردن جھکائی۔ بولے "بہت خوب رابعہ! میں شرمندہ ہوں تسلیم و رضا کا جو مقام تمہیں حاصل ہے ہم بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔"

☆۔ عقل غلام ہے اور شریعت سلطان۔ پس عقل کی تائید سے شریعت کی بات ماننا ایسا ہے جیسے غلام کی جی ہاں جی: ہاں سن کر بادشاہ کی بات کو مانا جائے۔

اس کا حماقت ہونا ظاہر۔ بادشاہ کی بات خود حجت ہے غلام کی تصدیق سے اس کو حجت سمجھنا سراسر حماقت ہے۔

(ا۔ع۔ت)

ابوسعید

اتحادِ ملی

لفظ اتحاد میں صوتی اعتبار سے ایک قسم کی دلکشی اور معنوی لحاظ سے ایک خاص کشش محسوس ہوتی ہے ممکن ہے یہ نفسیاتی عمل ہو، مگر یوں لگتا ہے جیسے یہ انسان کی فطری طلب ہے، تبھی تو ہر زمانے میں اور ہر معاشرے میں اس کا تقاضا پایا جاتا رہا۔ ہمارے موجودہ معاشرے میں بھی "اتحاد کی ضرورت" کی صدا فضا میں بار بار گونجتی ہے حتیٰ کہ ہر گروہ ہر جماعت اور ہر فرقہ اتحاد کی ضرورت پر زور دے رہا ہے حتیٰ کہ وہ گروہ جو تفرق و انتشت کی پیداوار ہیں اور وہ جماعتیں جن کا بنیادی خمیر ہی تخریب اور افتراق کے جذبے سے تیار ہوا ہے۔ وہ بھی اتحاد کی ضرورت محسوس کر رہی ہیں

پہلا سوال یہ ہے کہ اتحاد کیوں؟ کیونکہ اتحاد بجائے خود کوئی مقصد نہیں بلکہ کسی اجتماعی مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اگر اتحاد فی نفسہٖ محبوب و مستحسن ہوتا تو چوروں کا اتحاد بڑا بابرکت سمجھا جاتا، ڈاکوؤں کا متحد ہو جانا معاشرے کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہوتی۔ جرائم پیشہ لوگوں کا اتحاد معاشرے کے لئے ایک رحمت ہوتا، مگر نہ تو ایسا سمجھا جاتا ہے اور نہ فی الحقیقت ایسا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اتحاد برائے اتحاد مطلوب نہیں بلکہ کسی خاص مقصد تک پہنچنے کے لئے ایک ذریعہ کی حیثیت سے مطلوب ہے پھر یہ دیکھنا ہے کہ مسلمانوں کے اتحاد کا کوئی ایک مقصد ہے یا متعدد مقاصد ہیں۔ اگر مقصد ایک ہے تو اتحاد ممکن بھی ہے۔ اور سہل بھی ہیں اور اگر کئی مقاصد ہیں تو یہ دیکھنا ہوگا کہ ان متعدد مقاصد میں کوئی قدر مشترک بھی پائی جاتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر بھی اتحاد کوئی زیادہ مشکل نہیں اور اگر ان میں کوئی قدر مشترک نہیں پائی جاتی تو یہ طلب ہی بے سود ہے۔

مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے متعلق ایک مسلمان ذہن کے فلسفی شاعر کا کہنا یہ ہے کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابہ خاکِ کاشغر

اس میں اتحاد کی ضرورت کا بھی اظہار ہے اور

مقصد کا تعین بھی ہے، ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا صرف ایک ہونا مقصود نہیں بلکہ یہ ایک ہونا حرم کی پاسبانی کے لئے ہے۔ مگر شاعر نے دوسرے مصرعہ میں اس کی حدود کو اتنی وسعت دی ہے کہ یہ بین الاقوامی قسم کا مسئلہ بن جاتا ہے گو غایت اصلی کے اعتبار سے ایک حقیقت ہے مگر ہمارے لیڈران کرام جس اتحاد کی دعوت دیتے ہیں یا ضرورت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کی حدود اتنی وسیع نہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر شاعر اس محدود ملک کا باشندہ ہوتا اور اس کے ذہن کی سوچ بھی بنیادی طور پہ اسی طرح محدود ہوتی تو وہ کہہ سکتا تھا کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
طور خم سے لے کے کیماڑی تلک

اس مقولے کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ:

(۱) مسلمانوں کے اتحاد کا مقصد دین کی حفاظت اور دین کا غلبہ ہے۔

(۲) چونکہ یہ خطۂ زمین جسے پاکستان کہتے ہیں اسی مقصد کے تحت حاصل کیا گیا تھا چنانچہ اس وقت جذباتی نعرہ یہی تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ جواب ہوتا تھا لا الٰہ الا اللہ۔ اس لئے اتحاد کے مقصد کا ایک حصہ ہے حفاظت پاکستان اور استحکام پاکستان مگر ان دونوں کو ملا دیا جائے تو بالآخر مقصد وہی ایک ہی رہ جاتا ہے حفاظت دین اور غلبۂ دین۔

ماہرین فلسفۂ اجتماع یہ کہتے ہیں کہ اتحاد کے لئے مقصد کا متعین ہونا اور ایک ہونا شرط ہے اس اتحاد سے جو گروہ وجود میں آتا ہے اسے قوم کہتے ہیں۔ اس لئے قومیت کی بنیاد، وطن، زبان، رنگ اور نسل وغیرہ قرار دئے جاتے رہے اور قرار دئے جا رہے ہیں مگر اس بنا پہ اتحاد ہی دراصل عدم اتحاد اور تفریق انسانی کا سنگ بنیاد ہے اس لئے اسلام جو فطری طرز زندگی ہے اس نے ان سارے بتوں کو پاش پاش کر کے اتحاد کی بنیاد اعتصام بحبل اللہ کو قرار دیا چنانچہ ارشاد ہوا واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔ ایک جملے میں دو باتیں بیان کر دی ہیں اور دونوں باتیں اٹل حقائق ہیں۔ یعنی سب مل کر اللہ کی رسی کو تھام لو دوسری بات کہ فرقوں جماعتوں اور گروہوں میں مت بٹ جاؤ۔ ان دونوں کا باہمی تعلق ایسا ہے کہ بالکل فطری معلوم ہوتا ہے۔ اگر اعتصام بحبل اللہ کو اختیار نہ کیا تو تفرقہ بازی لازماً ہوگی گویا مسلمانوں کے اتحاد کا انحصار ہی اعتصام بحبل اللہ پہ ہے۔

انسان کے تشتت وافتراق کی وجہ بھی صرف ایک ہے، اور وہ ہے دین فراموشی یعنی حبل اللہ کو یکسر چھوڑ دینا۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ان دونوں قسموں کے اتحاد کو یکجا کرنا چاہتے ہیں اور اس کی وجہ صرف ایک ہے کافرانہ یقین اور مذہبی بے یقینی کافرانہ یقین کی وجہ ذہنی مرعوبیت اور شکست خوردگی ہے اور جس کی طرف ترجمان حقیقت نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشان نظری کا

اور مذہبی بے یقینی کی وجہ سے دین سے عدم واقفیت ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان کا ذہن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معیار کمال سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ اگرچہ وہ ایسا کہنے کی جسارت نہیں کرسکتا مگر حقیقت یہی ہے آپ اس تثلیث پر غور کریں۔ اسلام ہمارا مذہب ہے سوشلزم ہماری معیشت ہے جمہوریت ہماری سیاست ہے۔ یہ کافرانہ یقین اور مذہبی بے یقینی کا شاہکار ہے اور یہی اعلان ہے اس حقیقت کا کہ معاذ اللہ محمد رسول اللہ ﷺ معیار کمال نہیں۔ اس لئے معیشت ہم وہاں سے لیں جہاں ہمیں معاشی کمال نظر آیا۔ اور سیاست ان سے سیکھیں گے جو سیاسی اعتبار سے معیار کمال ہیں۔ اور تبرک کے طور پر مذہب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیں گے۔ مگر یہ دعویٰ بھی ایک فریب نظر ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کو ہمہ پہلو معیار کمال سمجھے بغیر ان سے جو مذہب لینے کا دعویٰ کیا جائے گا وہ بے جان عقائد کا ایک مجموعہ ہوگا۔

وہ مردہ رسوم کی ایک مشق ہوگی۔ اور مفاد پرستانہ گروہ بندیوں کا ایک مشغلہ ہوگا اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان بھانت بھانت کی بولیوں اور اس ساز بے آہنگ کو محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا اسلام سمجھا بھی جائے گا اور باصرار اور بہ زور دوسروں سے یہ منوانے کی کوشش بھی کی جائے گی

اس یقین و بے یقینی کی کشمکش میں ہمارے زعماء کے عجیب عجیب شاہکار سامنے آتے ہیں یعنی جغرافیائی بنیاد پر جے سندھ کا نعرہ بھی ہے اور اتحاد کی دعوت بھی۔ لسانی تفریق کی بنا پر پختونستان کی تحریک کی آبیاری بھی ہو رہی ہے اور اتحاد کو وقت کی ضرورت بھی قرار دیا جا رہا ہے اور یہ دعویٰ بھی موجود ہے کہ اتحاد کے بغیر قومی مسائل حل نہیں ہوں گے چند خود ساختہ رسوم کو معیار ایمان و کفر بنا کر دوسروں پر تکفیر کے بم بھی برسائے جا رہے ہیں اور اتحاد کی دعوت بھی دی

جارہی ہے، شخصی مفاد کی بنا پر ایک ایک جماعت کی تین تین جماعتیں بھی بن رہی ہیں اور اتحاد اتحاد کی رٹ بھی جارہی ہے یہ ساری صورت حال اسی یقین و بے یقینی کی ذہنی کشمکش کے عملی مظاہر ہیں۔ کہنے کو سب یہی کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد استحکام پاکستان ہے حتیٰ کہ وہ بھی ہی کہتے ہیں جنہوں نے بڑی خیر خواہی کے جذبے کے تحت پاکستان کے ٹکڑے کردئے اور جس پاکستان کا مطلب لا الٰہ الا اللہ تھا اس کا ایک ٹکڑا کفر کو بطور تحفہ پیش کر دیا۔

اور کہنے کو سب یہی کہتے ہیں کہ ہمارا نصب العین اسلام کی سربلندی اور نظام مصطفےٰ قائم کرنا ہے حتیٰ کہ وہ بھی یہی کہتے ہیں جن کی عملی زندگی میں اسلام کا کوئی سراغ نہیں ملتا اور نظام مصطفےٰ کی کوئی ادنیٰ سی جھلک نظر نہیں آتی مگر کہنے اور کرنے میں بڑا فاصلہ ہے، اور یہ دور تو ہے صرف کہنے کا، بیان بازی کا۔ اعلانات کا اور سرکاری طور پر اعلامیے جاری کرنے۔ مگر حقیقت وہی ہے جو ایک سر پھرا کہہ گیا ہے ؎

مدحت گفتار کو سمجھو نہ اخلاقی سند
خوب کہنا اور ہے اور خوب ہونا اور ہے

مصیبت یہ ہے کہ خوب ہونے کا کسی کو خیال تک نہیں سارا زور ساری توجہ ساری کوشش صرف خوب کہنے تک ہے، اور خوب کہنے کا دائرہ بھی اتنا محدود ہے کہ صرف اسی دائرے میں اور اسی حد تک خوب کہا جائے جتنا دوسروں کو غلط فہمی میں مبتلا کیا جا سکے یا یوں کہئے کہ دھوکا دیا جا سکے۔ ورنہ اگر مطلق خوب کہنے کا سلیقہ ہی آجاتا تو یہ بھی ایک بہت بڑی خوبی ہوتی۔

اتنی بات واضح ہوگئی کہ مسلمانوں کے اتحاد کا انحصار صرف ایک بات پر ہے اور وہ ہے مقام بحبل اللہ مگر یہ حقیقت ہے کہ ایک ہی مقصد تک پہنچنے کے ذرائع اور راستے مختلف ہوسکتے ہیں۔ تو کیا ذرائع کے اختلاف کے باوجود بھی اتحاد ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے

اس کی

وجہ وہ جذبہ ہے جس کے تحت اور ذرائع کو اختیار کیا جائے۔

مثال کے طور پر کچھ لوگ پنڈی سے لاہور جانا چاہتے ہیں سب کا مقصد ایک ہے۔ مگر کچھ ایسے ہیں جن کے پاس وسائل بالکل نہیں وہ پیدل چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ سکوٹر پر سوار چل پڑتے ہیں کچھ کاریں بھیڑ کر سفر شروع کر دیتے ہیں کچھ بس پر چڑھ کے چل پڑتے ہیں۔ ان کے درمیان اتحاد کی صورت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے وسائل کے مطابق اس راستے پر چلتا جائے جو لاہور کو جاتا ہے۔ کوئی پہلے پہنچے گا کوئی پیچھے

بہر حال پہنچ سب جائیں اور اگر اتحاد میں کچھ ایثار بھی شامل ہو تو یوں بھی ہو سکتا ہے۔

کہ جو لوگ مختلف سواریوں پر ہیں وہ اپنی وسعت کے مطابق ایثار سے کام لیتے ہوئے پیدل چلنے والوں کو سوار کر لیں۔ یہ اتحاد کی اعلیٰ صورت ہوگی۔

عدم اتحاد کی صورت یہ ہے کہ پیدل چلنے والے کدال اور گینتیاں کندھے پر اٹھائے جا رہے ہوں اور سڑک پر جہاں کوئی اندھا موڑ دیکھا یا کوئی مناسب موقع پایا خوب گہرا گڑھا کھود دیا کہ کار آئے بس آئے ٹرک آئے، گڑھے میں گرے اور چکنا چور ہو جائے اور ہر سکوٹر والا یہی شغل کرتا جائے جب کسی پیدل چلنے والے کے پاس سے گزرے ایک "کھیٹ" ماری اور یہ جا وہ جا اور کار والے یہی کوشش کریں کہ سکوٹروں اور پیدل چلنے والوں کو گراتے گھسیٹتے چلے جائیں، بس کے ڈرائیور کوشش کریں کہ کار سکوٹر پیدل جو آئے اسے روندتا چلا جائے اور خود کسی گہرے کھڈ میں گر کر چور ہو جائے۔ اس طریقے سے وحدت مقصد کے باوجود منزل پہ کوئی نہ پہنچ سکے گا۔

ہمارے ہاں اتحاد کی کوششوں کے سلسلے میں ذرائع کے اختلاف نے یہ دوسری صورت ہی اختیار کر رکھی ہے۔ الّا ماشاءاللہ۔

پاکستان کے شیدائی ایک دوسرے کو غدارِ وطن کہتے ہوئے تھکتے نہیں اور اتحاد کی دعوت بھی دیئے جا رہے ہیں اسلام کے فدائی دوسروں کو کافر بھی قرار دیتے جا رہے ہیں اور اتحاد و اتفاق کا فلسفہ بھی بگھار رہے ہیں اور یہ تکفیری شغل اس لئے نہیں دوسرے لوگ ان عقائد سے مختلف عقائد رکھتے ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے سکھائے بلکہ صرف اس لئے کہ ان بھولے بھالے "بلکہ عنوان دو مولوی" کے ایجاد کردہ عقائد کو دوسرے اپنانے کے لئے تیار نہیں۔

نظام مصطفیٰ کے سودائی اپنی عملی زندگی میں خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، گھریلو ہو یا گھر سے باہر کی زندگی نظام مصطفیٰ کی کسی ادنیٰ سی شق کو لاگو کرنا گوارا نہیں کرتے۔

مختصر یہ کہ باہمی نفرت پھیلانے کے سارے ذرائع اختیار کر کے اتحاد کی دعوت دیئے چلے جا رہے ہیں واقعی کیسے بھولے بادشاہ ہیں یہ لوگ، مگر اس کا حاصل؟ ؎

صبر، خودداری، دلیری، حق پرستی اب کہاں
رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلمان بن گئے

اتحاد کا بنیادی تقاضا تو اضع اور ایثار ہے اگر اس کے برعکس تکبر، رعونت، خود غرضی اور مفاد پرستی کے دائرے سے نکلنا گوارا نہ ہو تو اتحاد ملی ایک خواب سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا

معاشرے کے جس دائرے آبادی کے جس طبقے کا جائزہ لیجئے یہ دونوں بیماریاں اپنے پورے جوبن پر نظر آئیں گی پھر اتحاد ہو تو کیونکر؟

اتحاد باہمی کی ایک قابل عمل صورت یہ ہے کہ اختلاف رائے، اختلاف مذاق اور نظریات و عقائد میں اختلاف ایک طبعی چیز ہے صرف اتنا ہو کہ یہ اختلاف کہیں مخالفت اور دشمنی کی صورت اختیار نہ کرے، یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب سوچ کا انداز اور رویہ مثبت ہو اگر سوچ ہی منفی انداز کی ہے تو رویہ لازماً منفی قسم کا ہوگا ملت کے انتشار کی بڑی وجہ یہی منفی سوچ اور منفی رویہ ہے۔ تقریباً ہر فرد ہر سیاسی جماعت اور ہر مذہبی گروہ اپنی ساری تبلیغی صلاحیتیں اس پر صرف کر رہا ہے کہ فلاں شخص برا ہے، فلاں جماعت غدار ہے، فلاں گروہ مشرک ہے کافر ہے، اگر بیان بازی اور تبلیغ کا انداز یہ ہو کر اپنے نظریات اپنے عقائد اپنی راہ کی خوبیاں بیان کر دی جائیں اور سننے والوں کو سوچنے کا موقع دیا جائے کہ یہ خوبیاں جہاں نظر آئیں وہاں دست تعاون بڑھا دیں۔ اور جہاں یہ خوبیاں نہیں پائی جاتیں وہاں سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔

اگر کسی فرد یا جماعت میں کوئی خامی، خرابی، یا نقص نظر آئے تو خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ اس کو اصلاح کا مشورہ دیا جائے کیونکہ دین نام ہی خیر خواہی کا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الدِّینُ النَّصِیحَۃ خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ جس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں پہلے اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ وہ آپ کو اپنا خیر خواہ ہونا یقین سے جان لے اگر اس کا یہ خیال ہے کہ آپ اس کے دشمن ہیں تو وہ آپ کی بات سنے کیوں؟ اور اگر کسی وجہ سے سننا گوارا کر لے تو قبول کرنا کسی صورت میں گوارا نہیں کرے گا۔

دوسروں کے جذبات کو مجروح کر نا ٹھیس پہنچانا اور برانگیختہ کرنا اگر مستقل معمول بنا لیا جائے تو اتحاد ناممکن اور فساد یقینی ہو جاتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ اپنے دائرے میں رہ کر بھی اتحاد کی راہ ہموار کرنے اور فساد پیدا کرنے سے احتراز کی کوشش کی جائے

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ماھنامہ المرشد کا

چندہ سالانہ	۳۵ روپے
ششماہی	۱۸ "
غیر ممالک سے	۱۰۰ "

مولانا ابوالحسن علی ندوی

یک دو ساعت صحبتے با اہلِ دل

مولانا ابوالحسن علی ندوی، حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالی کی مجلس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ کے ملفوظات لکھ لیا کرتے تھے ان مضامین کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کی زبان پر جاری فرمائے اہلِ ذوق تک پہنچانا سعادت ہے (ادارہ)

۱۔ فرمایا: جوانی میں جب میں حیدرآباد میں تھا تو مشائخ کے ہاں تصوّف کی کتابیں پڑھی جاتی تھیں خاص طور پر فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کا بڑا دور رہتا۔ لیکن میری آنکھیں قرآن کی تفسیر اور حدیث کا درس ڈھونڈتی تھیں اور کان ان کے سننے کے لئے بیتاب تھے جی چاہتا تھا کہ کم سے کم ایک ہی آیت کی تفسیر اور ایک ہی حدیث کی تشریح ہوتی، لیکن ان مجالس میں ان کا کوئی ذکر نہ تھا۔ ذوق و شوق وجد و حال، نعرہ و آہ کی کمی نہ تھی مگر قرآن و حدیث کا سیدھا سادہ بیان مفقود تھا، وجہ یہ ہے کہ قرآن پیری اور مشیخت کو توڑتا ہے اور سب کو بندگی اور انسانیت کی سطح پر لاتا ہے اور سارے امتیازات کو ختم کر دیتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ عرب کا بدو مجلس نبوی میں آتا ہے تو کسی قسم کا امتیاز

و مشیخت نہ ہونے کی وجہ سے اسکو پوچھنا پڑتا ہے کہ میں سے اللہ کا رسول کون ہے؟

۲۔ فرمایا: مجھے روزمرہ کے واقعات میں سے قرآن کی اور قرآنی حقائق نظر آتے ہیں۔ ایک دفعہ رائے سے موٹر پر آرہا تھا۔ موٹر بگڑ گئی دیر تک اسے درست کرتے رہے درست نہ ہو، جب ایک دوسری موٹر گذری تو اس سے بعض اوزار لے کر اسے درست کیا گیا میں پوچھا کیا خرابی تھی، کہنے لگے ایک باریک سوراخ ہے پٹرول آتا ہے اس میں کچھ کچرا آگیا تھا اس کی وجہ پٹرول آنا بند ہو گیا۔ ساری مشینری، سارے انجن پہیے سب کچھ موجود ہے۔ مگر موٹر حرکت اس چھوٹی سی اندرونی خرابی کی وجہ سے ساری موٹر کی دھری رہ گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے سے

اور قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا
"وہ ہی بندہ کامیاب رہا جس نے اپنے نفس کی اصلاح کی
اور اس کو سنوارا اور وہ نامراد ہوا جس نے اسے خاک
آلودہ کیا" کی تفسیر روشن ہوگئی ۔ یہی انسان کے پورے
نظام زندگی اور پورے معاشرہ اور تمدن کا حال ہے
کہ اندر کی کثافت اور ابتری سے سارا نظام بگڑ جاتا ہے
پھر خارجی ساز و سامان کچھ کام نہیں آتا ، درست فرمایا
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

"معلوم ہونا چاہیئے کہ جسم انسانی ایک گوشت کا
ٹکڑا وہ ہے کہ جب وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم ٹھیک
رہتا ہے اور جب اس میں بگاڑ آجائے تو پورے
نظام جسمانی میں بگاڑ آجاتا ہے ، سنو وہ
دل ہے "

آج زندگی کا سارا فساد اور سارا بگاڑ اور سارا
انتشار اسی اندرونی کثافت اور ظلمت کا نتیجہ ہے اور اس کی
طرف کسی کی توجہ نہیں ۔ پورا جہاز جس میں ہزاروں مسافر ہوتے
ہیں اس میں کپتان کے سامنے جو گھڑی ہوتی ہے
اس میں سوئی اگر بال برابر سرک جائے تو جہاز کی سمت
میں سینکڑوں میل کا فرق پڑ جاتا ہے ۔

۳۔ فرمایا: بمبئی میں مجھے ایک نوجوان ملے سوٹ
بوٹ میں ملبوس اور ڈاڑھی صاف ، کہنے لگے مجھے
پہچانا ہے ۔ میں نے کہا نہیں ۔ کہا میرا نام یہ ہے
حافظ قاری ...... اگر لوگ مجھے اس لباس
میں نہیں پہچانتے ۔ پھر کہنے لگے مجھے آپ سے ایک
بات پوچھنی ہے ۔ کہنے لگے میرا نماز میں جی نہیں لگتا
، میں نے کہا بالکل قدرتی بات ہے ایسا ہی ہونا چاہیئے
چمڑے کے کارخانہ میں کام کرنے والے آدمی کا عطر کی
دکان میں دم گھٹنے لگتا ہے ۔ اور عطر کے کارخانہ میں
کام کرنے والا جب سریش کے کارخانہ میں جاتا ہے
تو اس کی جان پر بن جاتی ہے

۴۔ فرمایا: آخرت اور جنت مقصود اور نتیجہ ہے
اور بڑھاپا اور موت اس کا ذریعہ اور پُل ہے اس
لئے مجھے تعجب ہوتا ہے جب کوئی بڑھاپے کی شکایت
کرتا ہے اور بڑے درد اور حسرت سے کہتا ہے اب
مرنا ہی باقی ہے ۔ موت تو آنی ہے ۔ وہ لڑکوں
اور جوانوں کو حسرت سے دیکھتا ہے کہ کبھی میں بھی
ایسا تھا ۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی کسان
خوشی خوشی کھیت کرے ۔ جب غلہ کاٹنے اور غلہ
اٹھانے کا وقت آئے تو رنجیدہ اور مایوس ہو ،
حالانکہ یہ ساری محنت و مشقت اسی دن کے لئے تھی
اب اس کا افسوس کیوں اب تو غلہ اٹھانے اور گھر لے
جانے کا وقت آیا ہے ، حدیث میں آتا ہے "جو
اللہ کی ملاقات کا شائق ہو اللہ بھی اس کی ملاقات کا
مشتاق ہوتا ہے "

بڑھاپے میں قفس کی تیلیاں پتلی اور کمزور ہو جاتی ہیں
اور روح کو آزاد ہونے میں آسانی ہوتی ہے اس لئے

بڑھاپا موجب شکر و مسرت ہے نہ کہ موجب شکایت وحسرت بڑھاپے میں اس عالم کی تیاری اور اس کا اشتیاق زیادہ ہونا چاہیئے، لیکن میں نے ملنگ شاہ کی مسجد کے قریب ایک ضعیف العمر بزرگ کو دیکھا کہ مغرب کی اذان ہو رہی ہے اور وہ ایک قہوہ خانے میں بیٹھے ہوئے اخبار کے مطالعہ میں محو ہیں، موذن پکار رہا ہے حیّ علی الفلاح اور وہ اپنی اصلاح و فلاح کو بھولے ہوئے دوسروں کے قصوں اور بکھیڑوں میں مستغرق ہیں جن میں وہ کچھ بنا بگاڑ نہیں سکتے، ایسے آدمی کے لئے جو دنیا کی رفتار پر کچھ بھی موثر نہیں ہو سکتا۔ اخبار بینی کا یہ انہماک اضاعت وقت نہیں تو اور کیا ہے۔

۵۔ فرمایا: بعض لوگ کسی چیز کی مجموعی شکل یا اس کے نام سے چڑتے ہیں لیکن اس کے علیحدہ علیحدہ اجزا ان کو مازک اور مرغوب ہوتے ہیں۔ اور ان کو ان سے ان کو ذرا وحشت نہیں ہوتی۔ مثلاً بعض لوگ گلاب جامن سے چڑتے ہیں، لیکن کھویا، شکر، گھی سب ان کو علیحدہ علیحدہ مرغوب ہوتا ہے۔ وہ ان کو بڑے شوق سے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ان سب کو باہم جمع کر کے پیش کیا جائے اور اس نام گلاب جامن بتایا جائے تو وہ مارنے دوڑتے ہیں۔

یہی حال بعض پڑھے لکھے لوگوں کا ہے ا ان کو تصوف کے تمام اجزا کا علیحدہ علیحدہ اقرار ہے، لیکن مجموعہ تصوف سے وحشت ہوتی ہے اور اس کے نام سے چڑتے ہیں۔

یہی حال دوسرے مذاہب کا ہے ان کو بہت سے ان اجزا کا اقرار ہے جو ان کے مذاہب میں منتشر ہیں۔ ان تمام عمدہ اجزا کے مجموعے کا نام اسلام ہے اس مجموعہ سے ان کو وحشت ہے۔

۶۔ فرمایا: معالج کو مریض کی قوت کا لحاظ چاہیئے نہ کہ اپنی قوت کا۔ یہی طب نبوی دیکھیئے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو فرعون کے پاس بھیجا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ

"تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی کا رویہ اختیار کر رکھا ہے"

لیکن ہدایت کی جا رہی ہے کہ اس کی قوت ہضم کا خیال رکھا جائے ایسی خوراک نہ دی جائے جسے وہ برداشت نہ کر سکے۔

فقولا لہ قولا لینا "اس سے نرمی سے بات کرنا"

۷۔ فرمایا:۔
اللہ تعالیٰ جب کوئی مصیبت ڈالتا ہے تو اس سے پہلے صبر و شکر کی قوت اور یقین کی نعمت عطا فرماتا ہے۔ ورنہ مصیبت کا تحمل مشکل ہے اسی طرح دعاؤں کے جو مضامین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائے اُن سے پہلے قبولیت کا فیصلہ فرمالیا جس طرح کوئی حاکم جب کوئی فیصلہ یا کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اُمیدوار کو خود ہی مرضی کا مضمون لکھوا دیتا ہے یہ صرف ماثورہ دعاؤں کی خصوصیت ہے۔

بزرگوں سے جو دعائیں منقول ہوتی ہیں وہ اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتیں بزرگوں دعاؤں کی مثال پرندہ کی ہے جو خود اُڑتا ہے۔ اور قرآن مجید اور ماثورہ دعاؤں کی مثال ہوائی جہاز کی ہے جو سینکڑوں کو لے کر اُڑتا ہے۔

اسی لئے سورۂ فاتحہ میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

مجھے حزب البحر وغیرہ سے کچھ مناسبت نہیں مثلاً اس میں ایک دعاء آتی ہے اللھم سخر لی کل شیٔ اب اگر ساری مخلوق میرے لئے مسخر ہو جائے تو میں ان کی ضروریات کہاں سے پورا کروں گا۔ میں کیوں نہ یہ دعا کروں اللھم سخر نی لک "اے اللہ تو مجھے اپنا فرماں بردار بنا لے"

آپ کو وہ واقعہ یاد ہوگا ایک دفعہ حضرت معاویہؓ کے ہاں سے اس رقم کے آنے میں دیر ہو گئی جو وہ حضرت امام حسنؓ کو بھیجا کرتے تھے۔ ان کو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس دعا کی تلقین فرمائی۔

اللھم اقذف فی قلبی رجاءک واقطع رجائی عمن سواک حتیٰ لا ارجوا احدا غیرک۔

(اے اللہ میرے دل میں اپنی اُمید بھر دے اور میری اُمید ماسوا سے قطع فرما دے یہاں تک

کہ تیرے بغیر مجھے کسی سے
امید باقی نہ رہے"
یہ دعاء کتنی جامع اور مکمل ہے۔ یہ
اصل میں ایک سیف قاطع ہے۔
جو ماسوا کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

۸۔ فرمایا:۔
لوگ دعا میں اپنے مقصود پر اور
ان لوگوں پر نظر رکھتے ہیں جن سے
وہ مقصود حاصل ہوسکتا ہے
اور نہیں ہوتا۔

میرے ہاں ایک کاریگر دن
بھر بجلی کی وائرنگ اور فٹنگ
کرتا رہا۔ اس نے بڑی محنت اور
خلوص سے کام کیا۔ میں نے اسے
انعام دینا چاہا۔ مگر اس نے کسی
طرح قبول نہ کیا۔ مجھے اس کے
جذبے کی بڑی قدر ہوئی۔

ایک دن میں صحن میں بیٹھا کچھ
لکھ رہا تھا۔ وہ آیا اور زار زار
رونے لگا۔ میں سمجھا اس کے کسی
عزیز کا انتقال ہوگیا ہے میرے
بہت پوچھنے پر اس نے کہا میں
بہت دن سے روزگار کی تلاش میں
ہوں لیکن کوئی پوچھتا ہی نہیں
جہاں جاتا ہوں ناکام واپس آتا ہوں
میں نے کہا میں تمہیں خوشخبری
دیتا ہوں کہ تم یوں ہی ناکام رہو
گے، اور کوئی تمہاری بات بھی
نہیں پوچھے گا۔

وہ گھبرایا اور اس نے کہا کیوں؟
میں نے کہا نوکری نہ ڈھونڈو
بلکہ نوکری دینے والے کو ڈھونڈو!
تمہاری نظر مخلوق پر ہے اللہ
پر نہیں۔

تم اللہ کو منانے کی کوشش کرو
کام خود تمہارے پاس آئے گا۔
وہ شخص اگرچہ جاہل تھا لیکن
لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں آ
گئی۔ اگر پڑھا لکھا اور مولوی ہوتا
تو اتنی جلدی نہ سمجھتا۔ علم بڑا
حجاب ہے۔

چند روز کے بعد وہ خوش
خوش آیا اور کہا کہ مجھے کام
مل گیا۔ کارخانے والے خود
میرے گھر آئے اور مجھے لے
گئے۔ تنخواہ بھی دی اور
سواری کے لئے سائیکل بھی
دی۔ وہ میرا شکریہ ادا کرنے
لگا۔ میں نے کہا یہ شکر ہے
اس کا شکر ادا کرو جس نے نوکری دی ہے

۹۔ فرمایا:۔
محبت بڑی چیز ہے۔ محبت پٹرول کی طرح ہے۔ جس سے موٹر چلتی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا ایک صحابی حضورؐ کی خدمت میں آئے۔ اور کہا قیامت کب ہوگی؟ فرمایا تُو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے۔ اگر تم کو اس کا اس قدر اشتیاق ہے، کہا کہ میرے پاس اس کے لئے کچھ زیادہ عبادات نہیں۔ البتہ مجھے اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت ہے۔

فرمایا: المرء مع من احب (انسان آخرت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو دُنیا میں محبت تھی)

فرمایا:
حضرات چشتیہ کی نظر اسی پٹرول پر زیادہ ہے اور اسی سے ان کی یہ ترقی اور علوشان ہے

حضرت شاہ احمد سعیدؒ نے انہار اربعہ میں چاروں سلسلوں کی جداگانہ نسبتوں اور ان کے جُدا جُدا رنگ کو جنت کی ان چار نہروں سے تشبیہ دی ہے جن کے قرآن مجید میں الگ الگ اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

"جنت میں کچھ نہریں ایسے پانی کی ہیں جو سڑتا بگڑتا نہیں"

"کچھ نہریں ایسے دودھ کی ہیں جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا کچھ نہریں ایسی شراب کی ہیں جس میں پینے والوں کے لئے لذت و سرور ہے۔ اور کچھ نہریں شہد خالص کی ہیں"

انہوں نے فرمایا کہ:
نہ بگڑنے والا پانی یہ نسبت سہروردیہ ہے۔ اور یکساں ذائقے کی دودھ کی نہریں جس میں استقرار اور تمکن ہے یہ نسبت نقشبندیہ ہے۔ اور شراب کی نہر جس میں لذت و سرور اور کیف و نشاط ہے یہ نسبت چشتیہ ہے۔ اور شہد صافی کی نہر نسبت قادریہ ہے۔

اس محاکمہ میں جو جامعیت اور توازن ہے مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے۔

۱۰۔ فرمایا:
تزکیہ اور نظر بندی میں بڑا فرق ہے تزکیہ میں پٹرول کا کچرا صاف کر دیا

جاتا ہے۔ اور اس سوراخ کو کھول دیا جاتا ہے جس سے پیٹرول انجن میں آئے اور مشین چلنے لگے نظر بندی میں اس کا عکس ہے اس میں کچرا صاف کرنے کی بجائے شعبدہ باز محض نظر بندی کرتے ہیں۔ اور قوت متخیلہ پر ایسا اثر ڈالتے ہیں کہ چیزوں کی حقیقت کچھ ہوتی ہے اور نظر کچھ آنے لگتی ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے

یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعیٰ۔ (ساحرین فرعون کے سحر سے حضرت موسیٰؑ کو محسوس ہوتا تھا کہ ان کی رسیاں سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں (بشکریہ الفرقان لکھنؤ)

اہل دل اور جنت میں اپنا گھر بنوانے والوں سے

اپیل

(حدیث مبارکہ) مَنْ بَنیٰ لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الجَنّۃ

فرمایا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے! کہ جس نے مسجد بنائی اللہ کے واسطے (خواہ وہ چھوٹی سی کیوں نہ ہو) پس اس نے اپنا گھر جنت میں بنا لیا۔

جامع مسجد اقصیٰ صدیق کالونی نزد گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج ٹمبر مارکیٹ راوی روڈ کی تعمیر کے سلسلے میں تمام مسلمانان اہل سنت والجماعت کی خدمت میں پرزور اپیل ہے کہ مندرجہ بالا حدیث مبارکہ کو پڑھ کر اس تعمیر میں دل کھول کر حصہ لیجئے (چھوٹی سے چھوٹی) مسجد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر بھی ہو سکے خواہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو اپنی کمائی سے اس میں حصہ ڈالیں جزاکم اللہ احسن الجزاء (منجانب اراکین مسجد اقصیٰ)

فہرست مطبوعات ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دلائل السلوک (اردو)	۲۵/۰۰
صوفی ازم (انگلش)	۴۰/۰۰
حیاتِ برزخیہ	۲۵/۰۰
تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین	۲۵/۰۰
الدین الخالص	۲۵/۰۰
حیاتِ انبیاء	۱۰/۰۰
اطمینانِ قلب	۱۰/۰۰
تعمیر سیرت	۷/۵۰
لغزشیں	۷/۵۰
حضرت امیر معاویہ رض	۷/۵۰
اسرار الحرمین	۵/۰۰
انوار التنزیل	۵/۰۰
کس لئے آئے تھے؟	۵/۰۰
متعرف	۳/۰۰
خدایا ایں کرم بارِ دگر کُن	۷/۵۰
دیارِ حبیب میں چند روز	۵/۰۰
دین و دانش	۵/۰۰
مغالطے	۵/۰۰
پاکیزہ معاشرہ	۷/۵۰
فضائل توبہ استغفار	۲۰/۰۰
المرشد (فی شمارہ)	۳/۰۰
حج کی دُعائیں ۳ حصے	۵/۰۰
ذکر اللہ (عربی)	۳/۰۰
بزم انجم	۱۵/۰۰
فوزِ عظیم	۱/۵۰
علم و عرفان مع تلاش نمبر ۱	۳/۰۰
سالانہ چندہ المرشد	۳۵/۰۰
کونوا عباد اللہ (زیر طبع)	
ایمان بالقرآن کلاں	۲۰/۰۰

۹۹

ماہنامہ
المرشد

زیر سرپرستی
حضرت العلام مولانا
اللہ یار خان صاحب مدظلہ

اصلاح احوال باطنی اصلاح

سالانہ چندہ
پینتیس ۳۵ روپے

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ — دار العرفان منارہ ضلع جہلم

سول ایجنٹ مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

کتبہ: سید مشاہد حسن رضوی

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جاکر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم و مفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7-پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255